

سفر آخرت کے اسلامی احکام

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبہ تحقیق و اشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baldwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

فہرست سفر آخرت کے اسلامی احکام

2	تقریظ
3	تقریظ
4	پیش نامہ
6	موت کی یاد
7	موت کی تیاری
8	موت کے قریب
9	سکراتِ موت
9	مرنے والے کے لیے احکام
10	حاضرین کے لیے احکام
14	سکرات اور غیر شرعی رسومات
14	موت ہونے کے بعد
20	غیر شرعی رسومات
20	نوحہ کرنا
23	چہرہ پینٹنا یا نوچنا
23	کپڑے اور گریبان پھاڑنا
24	چوڑیاں پھوڑنا یا توڑنا
25	گیہوں یا نمک کی تقسیم
26	موت کی خبر یا اعلان
27	ایک جاہلی رسم
28	تعزیتِ اقرباء و احباء
29	تعزیت کے شرعی احکام
30	تعزیت اور غیر اسلامی رواجات
32	سوغ یعنی غم منانا
34	سوغ اور غیر اسلامی رسومات
35	میت کا دیدار کرنا
35	دیدار کے متعلق بعض اغلاط
37	کفن و دفن میں جلدی

37	تاخیر کی غلط رسم
38	غسل میت کا طریقہ
40	غسل میت کے چند اہم مسائل
41	غسل میت کی اغلاط
43	کفن کے چند مسائل
44	مرد کو کفن آنے کا طریقہ
46	عورت کو کفن آنے کا طریقہ
47	کفن کے بارے میں بے اعتدالیاں
47	کفن میں عمامہ
48	کفن پر عطر
48	کفن میں بڑائی کا مظاہرہ
49	کفن میں ٹوپی، لنگی وغیرہ
49	میت کے لیے سرمہ اور کنگھی
50	میت کے بال و ناخن تراشنا
51	کفن میں ایبر
51	کفن میں کلمہ و عہد نامہ
51	کفن میں پیروں کا شجرہ
52	نماز جنازہ کے احکام
52	نماز جنازہ کا طریقہ
57	نماز جنازہ کے چند اہم مسائل
60	نماز جنازہ میں شریعت کی خلاف ورزیاں
60	تکبیرات پر گردن اٹھانا
60	صفوں میں سجدے کے لیے جگہ چھوڑنا
61	نماز جنازہ کے بعد دعاء و فاتحہ
62	نماز جنازہ میں لوگوں کا انتظار
63	مسجد میں نماز جنازہ
65	جنازہ اٹھانے کے احکام
65	جنازہ میں شرکت کا ثواب
65	جنازہ اٹھانے کا طریقہ
66	چند مسائل

67	جنازہ کے ساتھ منکرات
67	عورت کے جنازہ پر سرخ چادر
68	جنازے پر پھولوں کی چادر
69	جنازے کے ساتھ ذکرِ جہری
70	سواری پر جنازہ
71	جنازے کے ساتھ سواری پر جانا
72	تدفین کے احکام
72	قبر کیسی ہو؟
73	دفنانے کا طریقہ
76	قبر بنانے کا مسنون طریقہ
77	دفن اور قبر کے چند مسائل
78	دفن و قبر کے سلسلہ میں رائج اغلاط
79	میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانا
81	”قبر پر اذان
81	قبر کے پاس صدقہ اور کھجور کی تقسیم
82	دفن کے بعد تین دعائیں
83	”قبروں کو پختہ و اُونچا کرنا
84	”قبروں پر غلاف اور پھول
88	تدفین کے بعد
88	تدفین کے بعد کا شرعی دستور العمل
88	ایصالِ ثواب
90	دعاء و استغفار
90	میراث کی تقسیم
95	قرض کی ادائیگی
95	وصیت پوری کرنا
96	تدفین کے بعد کی غیر شرعی رسومات
96	میت کے گھر کھانا کھانے کا رواج
97	میت کی برائی بیان کرنا
98	قرآن خوانی اور اس پر اجرت
100	کھانے اور مٹھائی پر فاتحہ

101	قبر پر قرآن پڑھوانے کی رسم
102	سوم، دسواں، بیسواں، چہلم و برسی کی رسمیں
104	گھروں میں روحوں کے آنے کا عقیدہ
105	حیلہ اسقاط
105	زیارتِ قبور
105	زیارتِ قبور کے شرعی آداب
109	زیارتِ قبور اور شرکیات و بدعات
109	مزاراتِ اولیاء پر سجدہ کی بدعت
111	قبروں پر نیتیں ماننا اور حاجتیں مانگنا
113	عرس و صندل کی بدعت
116	مزاراتِ اولیاء پر عورتیں
117	دعاء و اختتام
117	میری وصیت

سفر آخرت کے اسلامی احکام

تقریظ

حضرت استاذی مولانا مفتی نصیر احمد صاحب رحمہ اللہ

خلیفہ حضرت فقیہ الاسلام مفتی مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم

وسابق مفتی جامعہ مفتاح العلوم (جلال آباد، یوپی)،

حمداً وسلاماً: اما بعد احقر نے رسالہ ”سفر آخرت کے اسلامی احکام“ مؤلفہ مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب (مہتمم جامعہ مسیح العلوم) بنگلور، از اول تا آخر مطالعہ کیا، عام مسلمانوں کی حالت دینی کے پیش نظر نہایت سلیس اور آسان زبان میں لکھ کر بالکل ناواقف مسلمانوں کو بھی میت کے بارے میں تمام حالات کے احکام اور ہر کام کو انجام دینے کے آداب و طریقے اس میں درج کر دئے ہیں، الغرض اس سے معمولی استعداد کے لوگ بھی پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، حق تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلمانوں کو اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

فقط : نصیر (محمد عفی عنہ)

(مہتمم ادارہ و خطیب مرکزی مسجد پھونس والی، بڑوت، ضلع میرٹھ)

۹ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۹۵ع

تقریظ

فقہ الاسلام حضرت مولانا مفتی شاہ مظفر حسین ناظم و متولی مدرسہ

مظاہر العلوم (وقف) سہارنپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامد اومصلیٰ و مسلما

اما بعد:

عزیزی مفتی محمد شعیب اللہ خان مہتمم مدرسہ مسیح العلوم، بنگلور ایک ہونہار عالم دین ہیں جو ”شباب نشافی عبادۃ اللہ“ کا مصداق ہیں اللہ نے انہیں لکھنے پڑھنے کا پاکیزہ ذوق عطا فرمایا ہے جس کا ثبوت موصوف کے متعدد رسائل ہیں جو علمی حلقوں میں مقبول ہیں پیش نظر کتاب ”سفر آخرت کے اسلامی احکام“ اپنے عنوان سے متعلق مختلف آیات وہ روایات احکام و مسائل پر مشتمل معتبر کتاب کا نچوڑ اور لب لباب ہے جو تیسری بار مفید اضافوں کے بعد شائع ہو رہی ہے ماشاء اللہ موصوف نے اس کتاب کی ترویج میں کافی محنت کی ہے اور مختلف کتاب سے مراجعت میں اپنے علمی ذوق کا ثبوت پیش کیا ہے۔ انشاء اللہ یہ مجموعہ ان کی دیگر کتب کی طرح ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز مولف کو اخلاص کے ساتھ مزید خدمت دین کی توفیق مرحمت فرمائے۔

فقط

العبد مظفر حسین



﴿پیش نامہ﴾

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم : اما بعد

اسلام اور اس کی تعلیمات سے واقفیت رکھنے والا ادنیٰ مسلمان بھی اس حقیقت سے بے بہرہ نہیں ہو سکتا کہ اسلام زندگی کا ایک مکمل نظام اور دستور العمل ہے خواہ وہ زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی ہو، پھر اجتماعی زندگی خواہ عائلی ہو یا قبائلی ہو یا شہری پھر ان زندگیوں کا کوئی بھی شعبہ اور پہلو ہو، اسلام ہر موقعہ پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور وہ کائنات کی دائمی ضرورتوں کو حاوی اور تدبیر منزل سے لیکر سیاستِ مدُن تک کے ہر نظام کے اصولوں کا بہترین اور مرتب ہدایت نامہ ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر اسلام میں موت اور اس کے متعلقات کے بارے میں بھی مکمل ہدایات و تعلیمات کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اسلام نے موت کے متعلق ہمیں تفصیلی احکامات و ہدایات سے آگاہی بخشی ہے اور ہماری رہنمائی فرمائی ہے، مگر افسوس کہ آج..... جیسا کہ اور بہت سارے شعبہ ہائے دین میں بدعات و خرافات کو داخل کیا گیا..... موت کے متعلق بھی بے شمار من گھڑت رسموں، غیر شرعی رواجوں اور مجرمانہ بدعتوں کو لوگوں نے اپنا کر اسلام کی تعلیمات و ہدایات سے غفلت و جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ موت دراصل ”سفر آخرت کی ابتدائی کڑی ہے۔ اس موقعہ پر نہ صرف مرنے والے کو بلکہ اسکے دوست احباب اور رشتہ داروں اور دیکھنے والوں کو بھی سر تا پا خوف بن جانا چاہئے اور دنیا کی مادی و فانی چیزوں سے دوری اختیار کر لینا چاہئے اور اللہ و رسول کی خوشنودی کی خاطر سنت اور شریعت کی پیروی کو لازم کر لینا چاہئے تھا مگر بڑے دکھ

کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ لوگ اس کے بجائے بے ہودہ رسموں اور غیر شرعی دعوتوں کی فکر کرتے ہیں کسی کو چہلم کی فکر ہے، کسی پر برسی کا مسئلہ سوار ہے۔ میت کو سامنے رکھکر ان دعوتوں کے لیے تاریخیں طے کی جاتی ہیں، پھر اس کے لیے حلال اور حرام جو ملے، حاصل و فراہم کرتے ہیں۔ اور مزید افسوس ناک بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ دین اور اسلام کے نام پر کیا جاتا ہے۔

اس صورت حال کو دیکھ کر دل میں ایک کڑھن اور چھین محسوس ہوتی تھی اور بار بار خیال آتا تھا کہ موت اور اس کے متعلقات کے احکام پر ایک رسالہ آسان و عام فہم انداز میں اختصار و ایجاز کے ساتھ لکھا جائے تاکہ ان غیر شرعی رسومات کی اصلاح ہو اور اصل احکام شرع لوگوں کے سامنے آجائیں۔ اسی خیال سے تقریباً پانچ سال قبل ایک رسالہ احقر نے لکھا اور وہ شائع ہو گیا۔ مگر بعض مقامات پر کچھ تشنگی محسوس ہوتی تھی، لہذا اب ان مقامات پر نظر ثانی کی گئی اور احادیث کی تخریج کا پورا اہتمام کیا گیا ہے، اور جہاں فقہاء کے اقوال ذکر کرنے کی ضرورت تھی وہاں فقہی کتابوں کے حوالے بھی پورے اہتمام سے درج کئے گئے ہیں۔

جب پہلی دفعہ یہ رسالہ شائع ہوا تو بہت سوچ بچار کے بعد اس کا نام ”سفر آخرت کے اسلامی احکام“ تجویز ہوا۔ آسان تو یہ تھا کہ موت کے احکام یا اس کے ہم معنی کوئی نام ہوتا مگر بار بار خیال آتا رہا کہ موت کے لفظ ہی سے لوگوں کو کراہت و نفرت ہے، لہذا مذکورہ نام تجویز کرنا پڑا، کیونکہ موت ”سفر آخرت“ ہی کا نام ہے

و دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو مقبول اور نافع بنائیں اور ہمیں ہر معاملہ میں شریعت کے احکامات پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

(جامعہ اسلامیہ مسجد العلوم)

۱۸ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ

موت کئی پیام

موت ایک لازمی اور قطعی چیز ہے جس سے کسی کو مفر نہیں، نیز اس کی یاد انسان کے لیے عبرت و موعظت کا سبب و باعث ہوتی ہے اس لیے احادیث میں موت کو یاد کرنے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہاں اس سلسلہ کی چند حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

اَكْثِرُوا ذِكْرَ هَٰذِهِ اللَّذَاتِ الْمَوْتِ. (۱)

(ترجمہ: لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو یعنی موت کو)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

اَكْثِرُوا ذِكْرَ الْمَوْتِ فَمَا مِنْ عَبْدٍ اَكْثَرَ ذِكْرَهُ اِلَّا اَحْيَا اللَّهُ قَلْبَهُ وَهَوَّنَ عَلَيْهِ الْمَوْتِ. (۲)

(ترجمہ: موت کو کثرت سے یاد کرو کیونکہ کوئی بندہ ایسا نہیں جس نے موت کو کثرت سے یاد کیا ہو مگر اللہ اس کے دل کو زندہ کر دیتے ہیں اور اس پر موت کو آسان فرما دیتے ہیں)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم لذات کو ختم کر دینے والی چیز کو (یعنی موت کو) کثرت سے یاد کرتے، تو یہ بات تم کو ان چیزوں سے باز رکھتی جو میں (تم میں ہنسی مذاق کی) دیکھ رہا ہوں۔ لہذا لذات کو ختم کرنے والی چیز (موت) کو کثرت سے یاد کرو۔ کیونکہ قبر پر کوئی دن نہیں گذرتا مگر وہ کہتی ہے کہ ”انا بیت العربة وانا بیت الوحدة وانا بیت التراب وانا بیت

الدود“ (یعنی میں مسافرت کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، اور میں کیڑوں کا گھر ہوں)۔ (۱)

موت کی تیاری

اللہ نے انسان کو جو زندگی عطا فرمائی ہے وہ درحقیقت آخرت کی تیاری کے لیے ہے جیسا کہ حدیث میں حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”خُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَ مِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ“ (۲)

(ترجمہ: اپنی صحت میں سے اپنی بیماری کے لیے اور زندگی میں سے موت کے لیے حصہ لے لو)

علامہ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

”معنی یہ ہیں کہ اپنی صحت کے زمانے میں عبادت و طاعت میں مشغول رہو اس طرح کہ اگر بیماری کے دنوں میں اس میں تقصیر و کمی ہو جائے تو اس کے ذریعہ اس کی تلافی ہو جائے اور اپنی زندگی میں ایسے اعمال انجام دو جو مرنے کے بعد نفع دیں اور تندرستی کے دنوں میں عمل صالح میں جلدی کرو کیونکہ کبھی مرض و بیماری طاری ہو کر عمل سے روک دیتی ہے۔“ (۳)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

”الْكَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ“ (۴)

(ترجمہ: عقل مند انسان وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور موت کے بعد کی

(۱) ترمذی: ۲۳۸۴، کنز العمال: ۴۲۷۹۰ (۲) بخاری: ۶۴۱۶، ترمذی: ۲۳۵۵، ابن ماجہ:

۴۱۰۴، احمد: ۴۵۳۴ (۳) فتح الباری: ۲۳۵/۱۱ (۴) ترمذی: ۲۳۸۳، ابن ماجہ:

زندگی کے لیے عمل کرتا رہے)

غرض اللہ ﷻ نے زندگی اسی لیے دی ہے کہ اس میں ایمان و عمل والا طریقہ اختیار کر کے سفر آخرت کا توشہ تیار کیا جائے، اور جو شخص یہ کام کرتا ہے وہی دراصل، حقیقی عقلمند ہے۔

موت کے قریب

موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں، اور نہ ہی ہمیں یہ معلوم کہ ہماری موت کب آئے گی؟ اس لیے موت کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہئے اور موت کو ہر وقت قریب ہی خیال کرنا چاہئے اور اس میں ہم سے غفلت ہو جاتی ہے تو موت کے داعی ہم کو آ کر جگاتے بھی ہیں جیسے بیماریاں، ناگہانی حوادث وغیرہ، لہذا ایسے مواقع پر تو انسان کو سنبھل جانا چاہئے اور اس دستور العمل پر کار بند ہونا چاہئے۔

☆ موت سے نفرت نہ کرے، کیونکہ موت مومن کے لیے خیر و بھلائی ہے۔
نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی دو چیزوں کو ناپسند کرتا ہے ایک موت کو، حالانکہ مومن کے لیے فتنہ سے بہتر ہے۔

دوسرے مال کی کمی کو، حالانکہ مال کی کمی (قیامت میں) حساب میں تخفیف کا سبب ہے۔^(۱)

اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ موت مومن کا تحفہ ہے۔^(۲)

☆ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی خواہش رکھے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملنا پسند فرماتے ہیں اور جو اللہ سے ملنا نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا نہیں چاہتے۔^(۳)

(۱) احمد: ۲۲۵۱۹، مشکوٰۃ: ۱۳۰۵، کنز العمال: ۳۲۱۰۳ (۳) بخاری: ۶۵۰۷، مسلم: ۲۸۴۴،

ترمذی: ۹۸۶، نسائی: ۱۸۱۳، احمد: ۲۱۶۳۸، دارمی: ۲۶۳۸

☆ اگر کوئی بات وصیت کے قابل ہو مثلاً اپنے ذمہ کسی کا قرض ہو یا کسی کی امانت وغیرہ ہو تو اس کی وصیت کر دے یا لکھ کر رکھ دے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو اس کا حق نہیں کہ اس کے پاس کوئی بات وصیت کے قابل ہوتے ہوئے اس پر دو راتیں بھی گزر جائیں الا یہ کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی ہو۔^(۱)

☆ اللہ تعالیٰ کی جناب میں حسن ظن (نیک گمان) رکھے، کہ وہ اپنی مغفرت و رحمت سے محروم نہ کریگا۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کو مرتے وقت اللہ سے نیک گمان رکھنا چاہئے۔^(۲)

شکرات و موت

جب انسان موت کی نختیوں اور سکرات کے عالم میں ہو تو خود اس کے لیے اور اس کے پاس موجود رشتہ داروں اور دوستوں کے لیے بعض احکام و آداب ہیں:

✽ مرنے والے کے لیے احکام:

مرنے والے انسان کے لیے یہ احکام و آداب ہیں:

وضو کرنا، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وضو کی حالت میں موت پانے والے کو شہید کا مرتبہ ملتا ہے۔^(۳)

مسواک کرنا، چنانچہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وفات سے ذرا پہلے موت کی نختی کے عالم میں مسواک کے لیے اشارہ فرمایا اور مسواک لے کر خوب اچھی طرح منہ کو صاف فرمایا۔^(۴)

(۱) بخاری: ۲۷۳۸، مسلم: ۳۰۷۷، ترمذی: ۸۹۶۶، ابوداؤد: ۲۴۷۸، نسائی: ۳۵۵۷، ابن ماجہ: ۲۶۹۰، احمد: ۲۲۳۹، مؤطا مالک: ۱۲۵۶ (۲) مسلم: ۵۱۲۵، ابوداؤد: ۲۷۰۶، ابن ماجہ: ۴۱۵۷، احمد: ۱۳۶۱۱ (۳) مروزی، احتفاظ العنقری، احوال الموتی والقبور: ۳ (۴) بخاری: ۴۳۳۸، احمد: ۲۴۴۶۰

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنا اور اس کے عذاب سے خوف کھانا، حدیث میں فرمایا گیا کہ اس موقع پر امید اور خوف دونوں جس کے دل میں جمع ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا کر دیتے ہیں جس کی اس نے امید رکھی اور اس چیز سے اس کو بچاتے ہیں جس کا اس نے خوف کیا۔^(۱)

﴿یہ دعا کرتا رہے﴾

اللَّهُمَّ اَعِنِّي عَلَى سَكْرَاتِ الْمَوْتِ

(ترجمہ: اے اللہ موت کی پریشانیوں اور سختیوں میں میری مدد فرما)

حدیث میں ہے کہ وفات کے وقت نبی کریم ﷺ ایک پیالہ میں جس میں پانی تھا، ہاتھ ڈال کر اپنے چہرہ پر ملتے جاتے تھے اور یہ دعا پڑھتے جاتے تھے۔^(۲)

اسی طرح ایک اور دعا پڑھنا بھی آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، وہ یہ ہے :

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَالْحَقْنِيْ بِالرِّفْقِ الْاَعْلٰی۔^(۳)

کوشش کرے کہ اپنا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو، حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔^(۴)

﴿حاضرین کے لیے احکام﴾

مرنے والے کے پاس جو لوگ، اس کے رشتہ داروں یا دوست احباب میں سے موجود ہوں ان کو ان باتوں کا اہتمام کرنا چاہئے :

جو مرنے کے عالم میں ہو اس کو قبلہ رخ لٹا دیں، اور اس کی صورت یہ ہے کہ قبلہ سے دفنی

(۱) ترمذی: ۹۰۵ (۲) ترمذی: ۹۰۰، ابن ماجہ: ۶۱۲، احمد: ۲۳۲۲۰، (۳) بخاری: ۴۴۴۰، مسلم:

۴۴۷۴، ترمذی: ۳۴۱۸، احمد: ۲۳۶۳۰، مالک: ۵۰۱، (۴) ابو داؤد: ۴۷۰۹، احمد: ۲۱۰۲۳،

طرف سر اور قبلہ سے بائیں طرف پیر کر کے، داہنی کروٹ لٹا دیں تاکہ چہرہ قبلہ کی طرف رہے جیسا کہ کتب فقہ میں تصریح کی گئی ہے۔^(۱)

در مختار اور البحر الرائق میں تصریح کی گئی ہے کہ یہی طریقہ سنت سے مروی و ثابت ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ:

حضرت ابو قتادہؓ نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت براء بن معرور کے بارے میں پوچھا، حضرات صحابہ نے بتایا کہ ان کا انتقال ہو چکا اور انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کو قبلہ رخ کر دیا جائے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے فطرت کو پالیا۔ پھر آپ گئے اور نماز (جنازہ) پڑھی۔^(۲) ابن حجرؒ نے درایہ میں نقل فرمایا ہے کہ حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرنے والے کو قبلہ رخ لٹانا چاہئے اور اس کا طریقہ وہ ہے جو اوپر مذکور ہوا، بعض علماء نے لکھا ہے کہ قبلہ کی طرف پیر کر کے سر کو ذرا اونچا کر دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے مگر سنت وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

مرنے والے کے پاس جا کر کلمات خیر ہی کہنا چاہئے کوئی غلط اور مایوسی کی بات نہ کہنا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ مرنے والے کے پاس صرف خیر کی بات کہو، کیونکہ اس پر فرشتے آمین کہتے رہتے ہیں۔^(۳)

مرنے والے کے پاس بیٹھ کر زور زور سے لا الہ الا اللہ کا ورد کریں تاکہ مرنے والے کو بھی شوق ہو کر وہ بھی پڑھنے لگے۔ چنانچہ احادیث میں اس کی تعلیم فرمائی گئی ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

(۱) الدر المختار مع حاشیہ الشامی ۲/۱۸۹، البحر الرائق ۲/۷۰۲، الہدایۃ ۱/۱۵۸ (۲) الدرایۃ مع الہدایۃ ۱/۱۵۸، نصب الرایۃ ۲/۲۵۹، بیہقی فی السنن الکبریٰ ۲۳۵/۵ (۳) مسلم: ۱۵۲۷، ترمذی: ۸۹۹، نسائی: ۱۸۰۶، ابن ماجہ: ۱۳۷، احمد: ۲۵۲۸۹

”لَقْنُوا مَوْتَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“

(ترجمہ: اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو) (۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو کیونکہ وہ زبان پر ہلکا و آسان، ترازو میں وزنی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ وہ کلمہ خطایا اور گناہوں کو اس طرح منہدم کر دیتا ہے جیسے سیلاب عمارتوں کو منہدم کر دیتا ہے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ پھر وہ کلمہ زندوں کے لیے کیسا ہے؟ فرمایا کہ زندوں کے لیے وہ اور زیادہ گناہوں کو منہدم کرنے والا ہے۔ (۲)

تنبیہ اول: یاد رکھنا چاہئے کہ مرنے والے آدمی کے پاس کلمہ طیبہ پڑھنے کا حکم ہے لیکن اس کا حکم نہیں کہ مرنے والے کو مخاطب بنا کر، اس کو کلمہ پڑھنے کا حکم کیا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ موت کی سختیوں اور پریشانیوں میں تنگ آ کر انکار کر دے۔ چنانچہ دیلمیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔

مگر ان کو تنگ نہ کرو کیونکہ وہ موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں۔ (۳)

تنبیہ ثانی: تلقین میں صرف لا الہ الا اللہ پڑھنا چاہئے یا اس کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی پڑھنا چاہئے؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں اکثر علماء نے صرف لا الہ الا اللہ پڑھنے کو لکھا ہے۔ مگر بعض علماء نے اس کے ساتھ محمد رسول اللہ کو بھی ملا لینے کی گنجائش دی ہے۔ (۴)

مرنے والے آدمی کے پاس سورہ یس کی تلاوت کی جائے کیونکہ حدیث

(۱) مسلم: ۱۵۲۳، ترمذی: ۸۹۸، نسائی: ۱۸۰۳، ابوداؤد: ۲۷۱۰، ابن ماجہ: ۱۳۳۵،

احمد: ۱۰۵۷۰، (۲) کنز العمال: ۴۲۱۹۶، (۳) کنز العمال: ۲۱۹۶، (۴) تفصیل کے لیے دیکھو

درمختار مع رد المحتار: ۱۹۰/۲

میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مرنے والوں کے پاس سورہ یس؎ پڑھو۔^(۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس میت کے پاس سورہ یس؎ پڑھا جاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ آسانی فرماتے ہیں۔^(۲)

حافظ ابن حجرؒ نے بلوغ المرام میں ابن حبان سے پہلی حدیث کا صحیح ہونا نقل کیا ہے۔^(۳)

مرنے والے کو اس کی نیکیاں اور اچھائیاں یاد دلائیں، حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس بات کو پسند کرتے تھے کہ مرنے والے آدمی کو اس کی نیکیاں یاد دلائیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھے۔^(۴)

جب غرغره ہونے لگے تو تلقین بند کر دیں کیونکہ غرغره کے وقت کچھ پڑھا نہیں جاسکتا۔^(۵)

مناسب ہے کہ حالت نزع میں اس کے پاس اس کے اہل خاندان میں سے نیک اور متقی اور اس سے زیادہ تعلق رکھنے اور اس کے حالات سے زیادہ واقفیت رکھنے والے لوگ حاضر ہوں کیونکہ اس وقت اللہ کے مقدس فرشتے وہاں آتے ہیں، اور اس لیے کہ اسکو وہ لوگ توبہ کی طرف اور اللہ کی طرف متوجہ کر سکیں۔^(۶)

مرنے والے آدمی کے پاس خوشبو جلائی یا رکھی جائے، نیز اس کو لٹانے کے لیے بھی پاک کپڑے استعمال کئے جائیں۔^(۷)

(۱) ابو داؤد: ۲۷۱۴، ابن ماجہ: ۱۳۳۵، احمد: ۱۹۴۷، (۲) کنز العمال: ۴۴۲۱۷۹، (۳) بلوغ

المرام: ۳۸، (۴) کنز العمال: ۴۲۸۰۱، (۵) شامی: ۱۹۰۲، (۶) عالمگیری: ۱۵۷/۱، مقدمات ابن

رشد مالکی: مع المدوۃ: ۱۶۶/۱، المغنی لابن قدامہ: ۲۸۵/۲، (۷) عالمگیری: ۱۵۷/۱، مقدمات

رشد مالکی: ۱۶۶/۱

سکرات اور غیر شرعی رسومات:

سکرات کے موقع پر جو آداب و احکام، شریعت میں ہیں ان کو ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے۔ بعض جگہ پر بعض غیر شرعی رسومات کی پابندی یا ارتکاب کیا جاتا ہے ان سے بچنا چاہئے۔ مثلاً بعض لوگ مرنے والے کے پاس بیٹھ کر، ذکر و تلاوت کے بجائے دنیوی باتیں کرتے ہیں، یہ سخت بری بات ہے۔ بعض لوگ تلقین کے بجائے، جس کا حاصل کلمہ خلیہ کا ورد ہے، اُس پر زور دیتے ہیں اور اس کو پڑھنے کا حکم کرتے ہیں حالانکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ بعض لوگ خصوصاً خواتین، مرنے والے کے سامنے دنیوی مسائل، بیوی، بچوں کی پریشانیاں بیان کر کے، اس کو ان فانی و مادی چیزوں کی طرف مائل کر دیتی ہیں، اس کے بچوں کو پیار کرنے کہتی ہیں، بچوں کو اس کے سینہ پر ڈال دیتی ہیں، حالانکہ یہ وقت ایسا ہے کہ اس میں انسان کو اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور دنیا سے دور اور بے نیاز ہونے کی شدید ترین ضرورت ہے مگر افسوس کہ لوگوں کو مرنے والے کی تو کوئی فکر نہیں ہوتی، زندوں کی فکر ہوتی ہے۔ لہذا یاد رکھنا چاہئے کہ اس وقت مرنے والے آدمی کو اللہ کی طرف متوجہ کرنے اور ذکر کی تلقین کرنے میں مصروف ہونا چاہئے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ مرنے والے کے پاس اس کے لوگوں میں سے اہل صلاح و تقویٰ رہیں اور اس کو ذکر و توبہ کی یاد دہانی کریں۔^(۱)

مَوْتٌ هِيَ قَوْلٌ

جب موت واقع ہو جائے تو:

تمام حاضرین اور غائبین جن کو موت کی خبر پہنچے [إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ] پڑھیں حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی مصیبت پہنچنے پر [إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ]

پڑھتا ہے اور اللہ سے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور اس کا نعم البدل عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر چیز عطا فرماتے ہیں۔ (۱)

✽ میت کے حق میں درجات کی بلندی، مغفرت اور قبر میں کشادگی کے لیے دعا کریں۔ حضرت ابوسلمہؒ کا انتقال ہوا تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی کہ:

”اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما دے اور ان کے درجات کو بلند کر دے کہ وہ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہو جائیں اور ان کے پسماندگان (بیوی، بچوں) کے حق میں تو کارساز بن جا، اور اے رب العالمین! ہماری اور ان کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کو کشادہ و منور فرما دے۔ (۲)

میت کی آنکھیں بند کر دی جائیں اور منہ کو کسی پاک کپڑے سے باندھ دیا جائے اس طرح کہ کپڑا ٹھوڑی کے نیچے سے لیکر سر پر لے جائیں تاکہ منہ کھل نہ جائے، پیٹ پر کوئی وزنی چیز رکھ دی جائے تاکہ پیٹ پھول نہ جائے اور تمام اعضاء کو درست کر دیا جائے۔ (۳)

حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میت کی آنکھیں بند کر دو کیونکہ اس کی نظر روح کے پیچھے جاتی ہے۔ (۴)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابوسلمہؒ کا جب انتقال ہوا تو اللہ کے نبی ﷺ تشریف لائے اور ان کی آنکھوں کو کھلا ہوا دیکھا تو ان کو بند فرمایا۔ (۵)

میت کے کپڑے نکال دئے جائیں اور اس پر چادر ڈال دی جائے جیسا کہ

(۱) مسلم: ۱۵۲۵، ابوداؤد: ۲۷۱۲، احمد: ۲۵۴۱۷، مالک: ۴۹۸، (۲) مسلم: ۱۵۲۸، ابوداؤد: ۲۷۱۱، احمد: ۲۵۳۳۲، (۳) ہدایہ: ۱۵۸/۱، رد المحتار: ۱۹۳، البحر الرائق: ۱۷۲/۱، المغنی: ۲۸۵/۱، شرح المہذب: ۱۰۹/۵، (۴) ابن ماجہ: ۱۴۴۵، احمد: ۱۶۵۱۳، (۵) مسلم: ۱۵۲۸، ابن ماجہ: ۱۴۴۴، ابوداؤد: ۲۷۱۱، احمد: ۲۵۳۳۲

حدیث میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے جسد مبارک پر (روئی یا کتان کی بنی ہوئی) چادر ڈالی گئی تھی۔^(۱)

میت کی آنکھوں کو بند کرنے والا یہ دعا پڑھ لے تو اچھا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ
يَسِّرْ عَلَيْهِ اَمْرَهُ وَ سَهِّلْ عَلَيْهِ وَ اَسْعِدْهُ بِلِقَائِكَ وَ اجْعَلْ مَا خَرَجَ اِلَيْهِ
خَيْرًا مِّمَّا خَرَجَ عَنْهُ. ^(۲)

یہ دعاء کسی حدیث میں نظر سے نہیں گذری، البتہ امام بیہقیؒ نے اپنی سنن کبریٰ میں حضرت بکر بن عبد اللہؒ جو تابعین میں سے ایک جلیل القدر فقیہ گذرے ہیں ان سے اتنا نقل کیا ہے کہ جب میت کی آنکھیں بند کرو تو یہ کہو ”بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ ^(۳)

جس پلنگ پر میت کو رکھنا ہو، اسکو خوشبو سے تین دفعہ دھونی دیکر اس پر اسکور کھا جائے اور اس کا رخ قبلہ کی طرف کر دیا جائے جیسا کہ موت سے پہلے رکھا گیا تھا، البحر الرائق میں ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک اس طرح رکھنا چاہئے جیسے بیماری کی حالت میں نماز پڑھنے والا ایلتا ہے یعنی پیر قبلہ رخ کر کے سر کو اونچا کر دیا جائے، مگر بعض کا مختار قول یہ ہے کہ داہنی کروٹ پر لٹائیں اور قبلہ سے داہنی طرف سر اور بائیں طرف پیر ہوں جیسے قبر میں رکھتے ہیں، لیکن اگر اس طرح لٹانے میں کوئی مشکل پیش آئے تو جس طرح سہولت ہو اس طرح لٹایا جاسکتا ہے۔ ^(۴)

(۱) بخاری: ۵۸۱۳، مسلم: ۱۵۶۶، ابوداؤد: ۲۸۱۳، احمد: ۲۳۴۴۰، (۲) البحر الرائق: ۱۷۲/۲، در مختار مع شامی: ۱۹۳/۲، نور الابيضاح: ۱۲۶، (۳) السنن الکبریٰ: ۲۳۶/۵، امام نوویؒ نے شرح المہذب: ۱۱۰/۵ میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۴) البحر الرائق: ۱۷۲/۲، اسی طرح عالمگیری میں بھی ہے: ۱۵۸/۱

حیض و نفاس والی عورت اور ناپاک لوگ جن پر غسل فرض ہے وہ وہاں سے باہر چلے جائیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ حائضہ اور جنبی (جس پر غسل واجب ہو) وہ میت کے قریب نہ ہو۔^(۱)

نیز تلاوت قرآن بند کر دیں جب تک کہ اس کو غسل نہ دیدیا جائے۔ ہاں میت سے دور پٹھکر پڑھنا چاہیں تو اس کی اجازت ہے۔ چنانچہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اگر میت سے دور (مثلاً دوسرے کمرے میں) پٹھکر تلاوت کی جائے تو مکروہ نہیں، اسی طرح اگر میت کو پوری طرح کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا ہو تو وہاں پٹھکر تلاوت کرنا درست ہے۔^(۲)

میت کے متعلقین اور بالخصوص وارثین کے لیے مستحب ہے کہ میت پر اگر کسی کا قرض ہو تو اس کو ادا کرنے کی فکر کریں۔ یہ میت کے حق میں بہت ہی فائدہ مند ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومن کا نفس اس کے قرض کی وجہ سے معلق (لٹکا ہوا) رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی ادائیگی ہو جائے۔^(۳) اور احمد و دارمی کی روایت میں اس طرح آیا ہے کہ مومن کا نفس معلق رہتا ہے جب تک کہ اس پر قرض ہو۔^(۴)

متعلقین اور دوست احباب کو چاہئے کہ صبر و ضبط سے کام لیں۔ ہاں اگر آنکھوں میں خود بخود آنسو جاری ہو جائیں تو مضاقتہ نہیں اور نہ صبر کے خلاف ہے جیسا کہ آگے چلکر ہم اسکی وضاحت کریں گے۔ ایسے مواقع پر صبر کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے اور صبر کے معنی یہ ہیں کہ زبان پر اللہ کی شکایت نہ آئے اور دل سے اللہ کے فیصلہ پر راضی رہے۔

(۱) البحر الرائق: ۱۷۱/۲، در مختار مع رد المحتار: ۱۹۳/۲، المغنی: ۲۸۶/۲، (۲) شامی: ۱۹۴/۲

(۳) ترمذی: ۹۹۹، ابن ماجہ: ۲۴۰۳، (۴) احمد: ۹۳۰۲، دارمی: ۲۴۷۸

فائدہ : متعدد احادیث میں اپنے عزیز و قریب کے مرنے پر صبر کے فضائل

وارد ہوئے ہیں:

✽ ایک حدیث میں حضرت عمرو ابن العاصؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”إِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَى لِعَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ إِذَا ذَهَبَ بِصَفِيهِ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَصَبَرَ وَ احْتَسَبَ وَقَالَ مَا أُمِرَ بِهِ ، بِثَوَابِ دُونَ الْجَنَّةِ“ (۱)

(ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بندہ مؤمن کے لیے جنت سے کم پر راضی نہیں ہوتا جس کا کوئی رشتہ دار انتقال کر جائے اور وہ اس پر صبر کرے اور ثواب کی امید رکھے اور وہی بات زبان سے کہے جس کا اس کو حکم دیا گیا ہے)۔

ایک حدیث میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

[مَمِّينَ النَّاسِ مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَقَّى لَهُ ثَلَاثَ لَمٍ يَنْلُغُوا الْجَنَّةَ إِلَّا أَذْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ إِيَّاهُمْ] (۲)

(ترجمہ: انسانوں میں سے جس مسلمان کی تین اولاد جو بلوغ کی عمر کو نہ پہنچی ہو، نہیں مرتی مگر اللہ تعالیٰ ان بچوں پر اپنی رحمت کی بنا پر اس آدمی کو جنت میں داخل فرماتے ہیں)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں یہی مضمون آیا ہے اور اس میں مزید یہ اضافہ بھی ہے کہ ان مرحوم بچوں سے کہا جائے گا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ، مگر وہ بچے اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ جب تک ہمارے ماں باپ جنت میں داخل نہ ہوں گے ہم نہیں جائیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے کہا جائے گا کہ تم اور تمہارے ماں باپ دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (۳)

(۱) نسائی: ۱۸۴۸، بخاری: ۱۲۴۹، نسائی: ۱۸۴۹، ابن ماجہ: ۱۵۹۴، احمد: ۱۲۰۷۷

(۳) نسائی: ۱۸۵۳، احمد: ۱۰۲۱۳

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس کے ساتھ ایک بچہ تھا، اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اس بچہ پر خوف معلوم ہوتا ہے اور اس سے پہلے میں تین بچوں کو بھیج چکی ہوں (یعنی میرے تین بچے مر چکے ہیں، کہیں یہ بھی مرنے جائے) اس پر حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿لَقَدْ اخْتَضَرْتَ بِحِطَاءٍ شَدِيدٍ مِنَ النَّارِ﴾ (۱)

(ترجمہ: تو نے تو دوزخ سے بڑی سخت باڑھ بنالی ہے)

✽ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ عورتوں میں وعظ فرمایا، اس میں آپ نے یہ بھی کہا کہ جس عورت کے تین بچے مر جائیں، تو وہ بچے اس کے لیے دوزخ سے حجاب بن جائیں گے، ایک عورت نے عرض کیا کہ اگر کسی کے صرف دو بچے مریں تو؟ آپ نے فرمایا کہ دوسریں تب بھی (وہ دو بچے اس کے لیے دوزخ سے آڑ اور حجاب بنیں گے) (۲)

اس قسم کی متعدد احادیث کتب حدیث میں مروی ہیں، جن میں سے بعض میں مطلق اس بات کا ذکر ہے کہ دو یا تین بچے مرنے پر ماں باپ کو جنت میں داخلہ اور دوزخ سے نجات ملے گی اور بعض میں صبر و احتساب (یعنی ثواب کی نیت کرنے) کی قید بھی مذکور ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ جن احادیث میں یہ قید مذکور نہیں ہے ان کو بھی اسی قید پر محمول کیا جائے گا۔ (۳)

خلاصہ یہ کہ صبر و احتساب پر یہ فضیلت وارد ہے۔ لہذا کسی کے مرنے پر، اور بالخصوص اولاد کے مرنے پر خوب خوب ضبط و صبر سے کام لینا چاہئے۔

(۱) مسلم: ۴۷۷۰، نسائی: ۱۸۵۴، احمد: ۹۰۶۸، (۲) بخاری: ۱۲۵۰، مسلم: ۶۸۰۷، احمد: ۱۰۸۶۹

(۳) فتح الباری ۳/۱۱۹

❖ غیر شرعی رسومات:

موت ہونے کے بعد معاشرے میں بہت سی غیر شرعی رسمیں رواج پا گئی ہیں جن سے بچنا مسلمانوں کے لیے لازم و ضروری ہے۔ یہاں ان اغلاط کا ذکر کیا جاتا ہے:

نوحہ کرنا: بہت سے لوگ، اور خاص طور پر عورتیں اپنے رشتہ داروں کی موت پر چیختی چلاتی ہیں اور اس مرنے والے کا نام پکار پکار کر روتی ہیں، اس کو عربی میں نوحہ کہا جاتا ہے۔ اسلام میں اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے یعنی چیخنے چلانے کو جاہلیت کی باتوں میں شمار کیا ہے۔ (۱)

اور اسی حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ نوحہ کرنے والی عورت کو قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا اور اس پر قطر ان (جو کو تار کے مانند ایک چیز ہوتی ہے) کے بنے ہوئے کپڑے ہو گئے اور آگ کی لپٹوں کی قیص ہوگی۔ (۲)

نیز حضرت رسول اللہ ﷺ جب عورتوں کو بیعت فرماتے تھے تو ان سے اس بات کا بھی اقرار کراتے تھے کہ نوحہ نہیں کریں گی۔ (۳)

ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شہادت کی خبر آئی تو حضرت نبی کریم ﷺ پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے، اسی دوران ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور اسے کہا کہ حضرت جعفرؓ کی عورتیں روپیٹ رہی ہیں۔

(۱) مسلم: ۱۵۵۰، ترمذی: ۹۲۲، ابن ماجہ: ۱۵۷۰، احمد: ۲۱۸۲۹، (۲) مسلم: ۱۵۵۰، ابن ماجہ:

۱۵۷۰، احمد: ۲۱۸۲۹، (۳) بخاری: ۱۳۰۶، مسلم: ۱۵۵۲، نسائی: ۴۱۰۹، احمد: ۱۹۸۶۱

آپ ﷺ نے اس آدمی کو حکم دیا کہ وہ جا کر ان عورتوں کو اس سے منع کرے، وہ شخص گیا اور واپس آیا اور عرض کیا کہ میں نے ان عورتوں کو منع کیا، مگر وہ مانتی نہیں ہیں۔ آپ نے دوبارہ اس کو حکم دیا کہ وہ ان عورتوں کو جا کر منع کرے، وہ شخص پھر گیا اور واپس آ کر عرض کیا کہ وہ عورتیں مانتی نہیں ہیں اور مجھ پر وہ اللہ! وہ غالب ہو رہی ہیں۔ حضرت عائشہ کا خیال ہے کہ اس پر نبی کریم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا کہ ان عورتوں کے منہ میں مٹی ڈال دے۔^(۱)

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میت پر چیخ پکار کر رونے والی اور (راضی ہو کر) اسکو سننے والی دونوں پر اللہ کی لعنت ہے۔^(۲)

غرض یہ کہ اسلام میں چیخ پکار کر رونا، سخت ممنوع ہے اور اس پر شدید وعید آئی ہے، لہذا اس جاہلی طریقہ سے مسلمانوں کو پوری طرح پرہیز کرنا چاہئے۔ البتہ دل بھر کر خود بخود جو رونا آجائے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ و حرج نہیں کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کا رونا یہ فطری بات اور غیر اختیاری بات ہے اس کی شرع میں اجازت ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ایک صاحبزادی نے آپ کی خدمت میں قاصد بھیجا کہ آپ کو خبر دے کہ ان کا بچہ مرنے والا ہے، آپ نے قاصد سے فرمایا کہ ان کو جا کر کہہ دو کہ اللہ نے جو دیا، وہ بھی اسی کا ہے اور جو اس نے لے لیا وہ بھی اسی کا ہے لہذا صبر کریں اور ثواب کی امید رکھیں۔ قاصد پھر آیا اور اس نے عرض کیا کہ وہ قسم دے رہی ہیں کہ آپ ضرور تشریف لائیں۔

آپ اٹھے اور ان کے مکان کی طرف چلے اور آپ کے ساتھ حضرت سعد بن

(۱) بخاری: ۱۲۹۹، مسلم: ۱۵۵۱، نسائی: ۱۸۲۳، احمد: ۲۳۱۷۷، (۲) ابوداؤد: ۲۷۲۱، احمد: ۱۱۹۲

عبادہؑ اور حضرت معاذ بن جبلؓ بھی تھے، جب وہاں پہنچے تو آپ کے پاس وہ بچہ لایا گیا اور اس کی سانس اُکھڑ رہی تھی، آپ نے اس کو دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اس پر حضرت سعدؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ (آنسو) کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ

﴿هَذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللَّهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ وَإِنَّمَا يَرَحِمُ اللَّهُ عِبَادَهُ الرَّحِمَاءُ﴾ (۱)

(یہ آنسو رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالتا ہے، اور اللہ تعالیٰ صرف رحم کرنے والوں ہی پر رحم کرتا ہے)

اسی طرح حضرت سعد بن عبادہؓ کے مرض الوفات میں ان کو غشی کی حالت میں دیکھ کر آپ رونے لگے اور جو صحابہ آپ کے ساتھ تھے وہ بھی رونے لگے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آنسو کے بہنے اور دل کے غمگین ہونے سے عذاب نہیں دیتا بلکہ اس (زبان) کی وجہ سے عذاب دیتا ہے یا رحم کرتا ہے یہ کہہ کر آپ نے اپنی زبان مبارک کی جانب اشارہ فرمایا۔ (۲)

نیز جب آپ علیہ السلام کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے عرض کیا کہ کیا آپ بھی روتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ رحم کی وجہ سے ہے، پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ﴿ان العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول الا ما يرضى ربنا وانا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون﴾ (۳)

(۱) بخاری: ۱۲۰۳، مسلم: ۱۵۳۱، نسائی: ۱۸۴۵، ابوداؤد: ۲۷۱۸، احمد: ۲۰۷۷۷، ابن ماجہ: ۱۵۷۷، (۲) بخاری: ۱۲۲۱، مسلم: ۱۵۲۲، (۳) بخاری: ۱۲۰۲، مسلم: ۳۲۷۹، ابوداؤد: ۲۷۱۹، احمد: ۲۵۴۴

(ترجمہ: بے شک آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہوتا ہے لیکن ہم نہیں کہتے مگر صرف وہ بات جو ہمارے رب کو پسند ہے۔ اے ابراہیم! تیری جدائی سے ہم غمگین ہیں)

حاصل یہ کہ طبعی غم اور غیر اختیاری رونا، الگ چیز ہے اور جائز ہے اور انسانی ہمدردی کا اور فطرت کا تقاضا بھی ہے، اور چیخنا، پکارنا، چلانا حرام اور ناجائز ہے چہرہ پینٹنا یا نوچنا:

بعض لوگ غم کے اظہار کے لیے چہرہ پر مار لیتے یا چہرہ کو نوچتے ہیں۔ حدیث میں اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنے گالوں پر مارے اور اپنا گریبان پھاڑے، اور جاہلی رسوم کو اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (۱)

کپڑے اور گریبان پھاڑنا:

بعض لوگوں میں یہ رسم ہے کہ اظہار غم کے لیے اپنے کپڑے پھاڑ لیتے ہیں۔ یہ بھی جیسا کہ اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا، ممنوع ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں جو (اظہار غم کے لیے) سرمونڈے اور کپڑے پھاڑے اور چیخے چلائے۔ (۲)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس عورت سے بری ہوں جو چیخنے والی، سرمونڈے والی اور کپڑے پھاڑنے والی ہو۔ (۳)

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اس

(۱) بخاری: ۱۲۹۴، مسلم: ۱۲۸، ترمذی: ۹۲۰، نسائی: ۱۸۳۷، ابن ماجہ: ۱۵۷۳، احمد:

۳۴۷۶، (۲) نسائی: ۱۸۴۰، ابوداؤد: ۲۷۲۳، ابن ماجہ: ۱۵۷۵، احمد: ۱۸۸۵۹، (۳) مسلم: ۱۲۹،

نسائی: ۱۸۳۸، احمد: ۱۸۷۲۶

عورت پر جو اپنے چہرہ کو نوچنے والی، اپنے گریبان کو پھاڑنے والی اور خرابی اور موت کو پکارنے والی ہو۔ (۱)

ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو سر موٹدے، کپڑے پھاڑے اور چیخ کر روئے۔ (۲)

ان احادیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اظہار غم کے لیے کپڑے پھاڑنا اور گریبان چاک کرنا غیر اسلامی حرکت ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اظہار غم کے لیے بال نوچنا، سر موٹنا، اور خرابی و موت کو پکارنا وغیرہ حرکات بھی غیر اسلامی اور ممنوع ہیں مگر افسوس کہ بعض گھروں میں یہ ساری جاہلانہ رسمیں اور حرکات رائج ہیں۔ اہل اسلام کو چاہئے کہ ان تمام غیر اسلامی رسومات و حرکات سے دور رہیں۔

چوڑیاں پھوڑنا یا توڑنا:

عوام میں یہ بھی دستور ہے کہ جب کسی کا شوہر مر جاتا ہے تو اس کی عورت کی چوڑیاں ونگڑیاں دوسری عورتیں یا وہ خود پھوڑ دیتی ہے، یہ بھی ایک فضول اور غیر اسلامی رسم ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ ایسے موقعہ پر عورت کو صرف یہ حکم ہے کہ وہ زیب و زینت کی چیزیں استعمال نہ کرے مگر ان چیزوں کو توڑنے یا پھوڑنے کا حکم و اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ مال کی اضاعت ہے جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین باتیں ناپسند کی ہیں ایک قیل و قال یعنی بے فائدہ بحث و مباحثہ، دوسرے سوالات کی کثرت، تیسرے مال کی اضاعت، یعنی مال کو ضائع کرنا۔ (۳)

(۱) ابن ماجہ: ۱۵۷۴، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (فتح الباری ۱۶/۳) (۲) احمد: ۱۸۸۰۰، نسائی: ۱۸۴۴ (۳) بخاری: ۲۴۰۸، مسلم: ۳۲۳۷، احمد:

نیز اس رسم میں غیر قوموں (ہندوؤں) سے مشابہت بھی ہے کیونکہ ہندو لوگوں میں یہ رسم ہے کہ کسی عورت کا شوہر جب انتقال کر جاتا ہے تو اس کی چوڑیاں توڑ دی جاتی ہیں یا وہ عورت خود ہی اپنی چوڑیاں توڑ پھوڑ دیتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ غیروں کی رسموں کو اختیار کرنا ناجائز ہے ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ :

﴿مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ﴾ (۱)

(ترجمہ: جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ اسی قوم میں سے شمار ہوگا)

اور دوسری حدیث میں بھی مضمون اس طرح آیا ہے کہ:

﴿لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَهَ بِغَيْرِنَا﴾ (۲)

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص غیر قوموں سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں بلکہ وہ انہی میں شمار کیا جائے گا۔
گیہوں یا نمک کی تقسیم:

اکثر لوگوں میں رواج ہے کہ گھر میں کسی کا انتقال ہوتے ہی نمک یا گیہوں تقسیم کرتے ہیں اور بعض جگہ دیکھا گیا کہ شربت پلاتے ہیں۔ یہ کام اگر ثواب کی نیت سے کریں تو اگرچہ فی نفسہ جائز ہے مگر ظاہر ہے جس کام کا شریعت میں حکم نہ ہو اور وہ کام شرع نے مقرر نہ کیا ہو اس کو اپنی طرف سے مقرر کر لینا دین میں اضافہ اور بدعت ہے رہا ثواب تو وہ روپیہ، پیسہ، چاول، آٹا، کپڑا وغیرہ کسی بھی چیز کے دینے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ نمک یا گیہوں کی تخصیص کی کوئی وجہ معقول نہیں ہے۔ اس لیے اس رسم کو بھی ترک کرنا چاہئے۔

موت کی خبر یا اعلان

موت ہونے کے بعد دوست، احباب، اور رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو اس کی اطلاع و خبر دینا چاہئے تاکہ لوگ اس کا جو حق ان پر ہے یعنی اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے حق میں دعا کرنا، اس کو ادا کر سکیں۔^(۱)

حضرات صحابہ کا معمول بھی حضور علیہ السلام کے زمانہ میں یہی تھا، چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم میں سے کسی کے انتقال کا وقت ہوتا تو ہم آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دیتے، آپ تشریف لاتے اور اس کے حق میں استغفار کرتے یہاں تک کہ جب اس کا انتقال ہو جاتا تو آپ ﷺ واپس ہو جاتے، اور کبھی آپ اور آپ کے ساتھی تدفین تک تشریف رکھتے یہاں تک کہ تدفین ہو جاتی، مگر اس میں کبھی بہت تاخیر ہو جاتی تو بعض صحابہ نے بعض سے کہا کہ اگر ہم آپ ﷺ کو پہلے اطلاع نہ دیں اور انتقال کے بعد اطلاع دیں تو آپ ﷺ پر اس میں مشقت اور پریشانی نہ ہوگی، چنانچہ پھر ہم ایسا ہی کرنے لگے اور آپ ﷺ کو کسی کے انتقال کے بعد خبر دیجاتی اور آپ تشریف لاتے اور اس کی نماز جنازہ پڑھتے اور کبھی واپس ہو جاتے اور کبھی تدفین تک تشریف رکھتے، ایک زمانہ تک ہم ایسا ہی کرتے رہے، پھر ہم نے کہا کہ کیوں نہ ہم آپ کے پاس ہی جنازہ اٹھا کر لے جائیں کہ اس میں آپ ﷺ کے لیے زیادہ راحت ہے چنانچہ ہم ایسا ہی کرنے لگے اور یہی رواج آخر تک رہا۔^(۲)

احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس کو پسند فرماتے کہ موت ہونے پر اس کی اطلاع دیجائے، چنانچہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کو راتوں رات دفن کر دیا گیا، صبح اس کا ذکر ہوا تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم کو کس بات نے مجھے

(۱) در مختار مع شامی ۲/ ۱۹۳، عالمگیری: ۱/ ۱۵۷، الجوهرة النيرة: ۱/ ۱۳۷ (۲) سنن البیہقی: ۷۲۸۲

اس کی خبر دینے سے منع کیا؟ (۱)

اسی طرح ایک آدمی یا عورت تھی جو مسجد کی خدمت کرتی تھی اس کا انتقال ہوا تو صحابہ نے اس کے معاملہ کو معمولی سمجھ کر اس کو دفن کر دیا جب آپ ﷺ کو بعد میں اطلاع کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں اطلاع نہیں کی؟ (۲)

بہر حال موت کی خبر و اطلاع کرنا پسندیدہ ہے کہ لوگ اس کے حق میں دعا کریں گے اور اس کی نماز جنازہ میں شرکت کریں گے جیسا کہ بدائع اور شامی میں ہے اور اگر مرنے والا کوئی مقتدا عالم و بزرگ ہے تو اس کی خبر بازاروں اور سڑکوں پر بھی دی جاسکتی ہے۔ (۳)

ایک جاہلی رسم:

یہ ہوا موت کی خبر کا مسئلہ، مگر موت کی خبر کی ایک اور صورت ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے اور وہ جاہلیت کی رسم ہے وہ یہ کہ کوئی شخص گھروں کے دروازوں پر اور بازاروں میں موت کا اعلان کرتا پھرتا تھا اور زور زور سے چیختا تھا۔ (۴)

شریعت میں اس سے منع کیا گیا ہے حدیث میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہی یعنی اعلان موت سے منع کیا ہے۔ (۵)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿ایاکم و النعی فان النعی من عمل الجاہلیة﴾ (۶)

(ترجمہ: تم موت کے اعلان سے بچو کیونکہ یہ جاہلیت کے کاموں میں سے ہے) یہاں یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ موت کی خبر دینا تو سنت ہے مگر اس کا اعلان

(۱) بخاری: ۱۲۲۷، ابن ماجہ: ۱۵۱۹، سنن کبریٰ بیہقی: ۷۱۱۱ (۲) بخاری: ۱۵۸۸، مسلم: ۳۵۸، ابوداؤد: ۲۷۸۸، ابن ماجہ: ۱۵۱۶، احمد: ۸۴۸۰، (۳) بدائع الصنائع: ۲۲۲، شامی: ۱۹۳۲، (۴) فتح الباری: ۱۱۶/۳ (۵) ترمذی: ۹۰۷، ابن ماجہ: ۱۳۶۵، احمد: ۲۲۳۵۸، (۶) ترمذی: ۹۰۶

عام لوگوں کے لیے جائز نہیں اور خبر و اعلان کا فرق یہ ہے کہ خبر تو کسی شخص یا چند افراد تک پہنچ کر اس کو بتانا ہے اور اعلان یہ ہے کہ کسی جگہ سے آدمی اذان کی طرح موت کی خبر کا پروپگنڈا کرے۔ امام مالکؒ نے اسی لیے فرمایا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ موت کے اعلان کے لیے مساجد کے دروازوں پر زور زور سے چیخے۔ ہاں اگر مساجد میں لوگوں کے حلقوں کے پاس جا کر اسکی خبر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔^(۱)

اسی سے معلوم ہو گیا کہ بعض جگہ جو مساجد کے میناروں سے اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ عام لوگوں کے انتقال کی خبر دی جاتی ہے، یہ درست نہیں۔ کیونکہ یہ اعلان موت ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں اگر مساجد میں اطلاع کی خاطر نمازیوں کے درمیان بات پہنچادی جائے تو درست ہے۔

بعض لوگ موت کی خبر اخباروں میں شائع کراتے ہیں اور میت کی تصویر بھی شائع کراتے ہیں۔ خبر کسی ضرورت سے اخبار میں دیں، مثلاً کوئی معروف شخصیت ہے اس کی موت کی اطلاع پہنچانے کیلئے یا دعا کی درخواست کے لیے، تو جائز ہے مگر تقاضا کے لیے ہو تو درست نہیں، پھر تصویر شائع کرنا تو کسی حال میں بھی جائز نہیں کیونکہ اسلام میں تصویر حرام و ناجائز ہے اس لیے ان باتوں سے بچنا چاہئے۔

فَضْلُ بَيْتِ الْقَرْبَاءِ وَالْأَحْبَاءِ

جب کوئی مر جائے تو اس کے گھر والوں اور اس سے تعلق خاطر رکھنے والوں کو تسلی دینا اور صبر کی تلقین کرنا اور ان کے حق میں دعاء خیر کرنا، بڑی عبادت اور مسلمان کا حق ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يَمُوتُ إِلَّا كَسَاهُ اللَّهُ سَبْحَانَهُ ﴾

من حلال الکرامۃ یوم القیامۃ ﴿ (۱)

(ترجمہ: جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی اس کی مصیبت میں تعزیت اور تسلی کرتا ہے،

اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کرامت کے کپڑے پہنائے گا)

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ

کی تسلی کرتا ہے اس کو اسی کی طرح اجر ملتا ہے۔ (۲)

تعزیت کے شرعی احکام :

(۱) تعزیت و تسلی کیسے کی جاتی ہے اس کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ یہ احادیث

سے معلوم ہوگا:

تعزیت ان الفاظ میں کریں، جیسے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

”جو اللہ نے لے لیا وہ بھی اللہ کا ہے اور جو اس نے دیا وہ بھی اللہ کا ہے اور

اللہ کے پاس ہر چیز ایک مقررہ مدت تک کے لیے ہے لہذا تم صبر کرو اور ثواب حاصل کرو۔“ (۳)

یہ جملے آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادیوں میں سے ایک کے لڑکے کی وفات پر

ان صاحبزادی کو بطور تسلی و تعزیت قاصد کے ذریعہ فرمائے تھے۔

اور ایک حدیث میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے لڑکے کی وفات پر آپ ﷺ کا

تعزیتی پیغام مذکور و مروی ہے جو آپ ﷺ نے تحریر کروا کر روانہ کیا تھا، اس خط کے چند

جملے یہ ہیں:

”تمہارا لڑکا اللہ کی خوشگوار نعمتوں میں سے ایک نعمت تھا، تم کو اس کے ذریعہ

(۱) ابن ماجہ: ۱۵۹۰، (۲) ترمذی: ۹۹۳، ابن ماجہ: ۱۵۹۱، (۳) بخاری: ۱۳۸۴، مسلم: ۱۵۳۱، نسائی:

اللہ نے قابل رشک و لائق سرور نفع دیا اور اب اجر عظیم، رحمت و مغفرت و ہدایت کے بدلے اس کو اٹھالیا اگر تم صبر سے کام لو۔ اور دیکھو! تمہارا رونا دھونا تمہارے اجر کو ضائع نہ کر دے، پھر تم کو پشیمانی ہوگی۔^(۱)
اس طرح تسلی دینا چاہئے۔

(۲) میت کے گھر والوں اور ان کے مہمانوں کے لیے کھانا پکا کر بھیجا جائے، یہ بھی ایک طریقہ تعزیت ہے اور سنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب حضرت جعفرؓ کا انتقال ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ ان پر ایسی مصیبت آئی ہے کہ وہ کھانا تیار کر نہیں سکتے۔^(۲)
(۳) تعزیت تین دن تک کرنے کی اجازت ہے، اس کے بعد اجازت نہیں۔ ہاں اگر کوئی موجود نہیں تھا یا اس کو موت کی خبر دیر سے ملی تو بعد بھی جائز ہے۔^(۳)

تعزیت اور غیر اسلامی رواجات:

تعزیت کے بارے میں بھی شرعی و اسلامی احکام و آداب سے ناواقفیت کی بنا پر لوگ بہت سی غیر اسلامی رسمیں اختیار کئے ہوئے ہیں جن کو ترک کرنا ضروری ہے۔
(۱) تعزیت کرنے والے میت کے وارثین کو تسلی و دعا دینے کے بجائے، ان کو اور زیادہ بے صبر او بے چین کر دیتے ہیں، لپٹ لپٹ کر روتے، ان کے بچوں کو دیکھکر پریشانی کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ تعزیت کیسی ہوتی ہے؟ اس میں تسلی، دعا و صبر کی تلقین ہونا چاہئے۔ مگر افسوس کہ آج معاشرہ اسلامی تعلیمات سے اتنا دور ہو چکا ہے کہ تعزیت کرنے والا اگر نہ روئے، بے قراری و بے چینی کا مظاہرہ نہ کرے تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو میت سے نہ محبت ہے نہ اس کے مر

(۱) حصن حصین: ۲۳۶ (۲) ترمذی: ۹۱۹، ابوداؤد: ۲۵۰۲، ابن ماجہ: ۱۵۹۹ (۳) الجہرۃ الخیرۃ

نے پر غم۔ یہ دراصل اسلامی تعلیم سے غفلت و جہالت کا نتیجہ ہے۔

(۲) تعزیت تین دن کے بعد مکروہ ہے، اسی طرح بار بار تعزیت کرنا بھی

مکروہ ہے (۱)

مگر بعض لوگ اس میں بھی خلاف کرتے ہیں اور جب جب جاتے ہیں، موت کا مسئلہ چھیڑ کر میت کے وارثین کے حزن و غم کو تازہ کرتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ ہاں کوئی شخص کہیں باہر گیا تھا اور موت کے تین دن بعد آیا یا کسی کو تین دن کے بعد ہی اطلاع ہوئی تو اس کے لیے درست ہے کہ وہ تین دن کے بعد جا کر تعزیت ادا کرے۔ (۲)

(۳) قبر کے پاس تعزیت ادا کرنا بھی مکروہ ہے، کیونکہ یہ موقعہ مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب اور دعا کا ہے، حضرت ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ قبر کے پاس تعزیت بدعت ہے۔ (۳)

(۴) بعض جگہ میت کا وارث گھر کے دروازہ پر یا راستہ میں کرسی یا حیرہ ڈال کر بیٹھ جاتا ہے تاکہ لوگ آ کر تعزیت ادا کریں۔ یہ بھی مکروہ اور جاہلیت کی رسم ہے۔ (۴) علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اکثر ائمہ متاخرین نے فرمایا کہ میت کے گھر والوں کے پاس اجتماع مکروہ ہے۔ اور اس کے لیے اپنے گھر میں بیٹھا رہنا تاکہ لوگ آ کر تعزیت کریں، مکروہ ہے، بلکہ جب دفن سے فارغ ہو کر لوگ چلے جائیں تو سب کو اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جانا چاہئے، اسی طرح گھر والے کو بھی اپنے کام میں لگ جانا چاہئے۔ (۵)

اللہ عزوجل

(۱) الجوهرة النيرة: ۱/۵۹۹، درمختار مع حاشی: ۲/۲۴۷، شرح المحض: ۵/۲۷۷ (۲) الجوهرة: ۱/۵۹۹

(۳) شامی ۲/۲۴۷ (۴) المحرر الرائق ۲/۱۹۲، شامی ۲/۲۴۷، شرح المحض: ۵/۲۷۸، المغنی:

۲/۳۴۲ (۵) شامی ۲/۲۴۷

سوگ پچھنی غدر منافا

کسی کے مرجانے پر غم و حزن کا ہونا ایک فطری امر ہے۔ پھر تعلق و محبت کی کمی بیشی کے اعتبار سے غم و حزن میں بھی کمی بیشی ہونا ایک واقعاتی چیز ہے۔ اسی لیے شریعت نے سوگ یعنی غم منانے کے بارے میں بھی شرعی احکام دے کر اس فطری و واقعاتی امر کی رعایت فرمائی ہے، اس کے احکام کتب فقہ میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، یہاں چند اہم امور پیش کرتا ہوں:

کسی کے مرنے پر تین دن سوگ منانے کی اجازت ہے، تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں۔ البتہ عورت اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ منائے گی، یہ اس پر لازم و ضروری ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی بھی عورت کے لیے، جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے، جائز نہیں کہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے مگر بیوی اپنے شوہر کے مرنے پر چار ماہ دس دن سوگ منائے گی۔^(۱)

شوہر کے انتقال پر عورت کو سوگ میں رہنا واجب ہے۔ علامہ نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ پر تمام علماء کا اجماع ہے البتہ اس کی تفصیل میں اختلاف ہوا ہے (۲)۔ مثلاً امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک نابالغ لڑکی بھی بیوہ ہو جائے تو سوگ میں رہنا اس پر واجب ہے مگر امام ابو حنیفہؒ کے مسلک میں نابالغ لڑکی پر سوگ نہیں ہے۔ (۳)

سوگ کے دنوں میں زیب و زینت کی تمام چیزوں کو ترک کر دینا ضروری ہے،

(۱) بخاری: ۱۲۸۰، مسلم: ۲۷۳۰، ترمذی: ۱۱۱۶، نسائی: ۳۴۴۳، ابوداؤد: ۱۹۵۴، احمد: ۲۵۵۴۰، ہاک

۱۰۹۷: دارمی: ۲۱۸۳، (۲) شرح مسلم للنووی: ۴۸۶۱: (۳) در مختار مع شامی ۳/۷۳۲، شرح

مسلم ۴۸۶۱،

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سوگ میں رہنے والی عورت نہ سرمہ لگائے، نہ رنگین کپڑا

پہنے، نہ عطر لگائے، البتہ حیض سے پاک ہونے پر اس کی اجازت ہے۔ (۱)

نیز بعض احادیث میں اس عورت کو لنگھی کرنے سے بھی منع کیا ہے۔ (۲)

اور بعض میں خضاب لگانے سے بھی روکا گیا ہے۔ (۳)

نیز ایک حدیث میں ایسی عورت کو زیورات پہننے سے منع کیا گیا ہے۔ (۴)

نیز خوشبودار تیل سے لنگھی کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ (۵)

ان تمام احادیث کے پیش نظر علماء نے عدت میں رہنے والی عورت کے لیے ہر اس چیز کو منع کر دیا ہے جو زیب و زینت کی ہو۔ البتہ ضرورت کے موقعہ پر تیل ڈالنے کی اجازت دی گئی ہے۔

عورت سوگ کے ایام میں چونکہ عدت میں ہوگی، اس لیے اس کو اپنے ہی شوہر کے گھر ان ایام میں رہنا چاہئے، باہر نکلنا، ادھر ادھر جانا، کسی تقریب میں شرکت کرنا، جائز نہیں۔ حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کے انتقال پر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے شوہر کے گھر سے میرے خاندان والوں میں منتقل ہو جانا چاہتی ہوں، پھر کچھ حالات پیش کئے۔ آنحضرت نے پہلے اجازت دی پھر جب وہ جانے لگیں تو بلا کر فرمایا کہ نہیں، تم اسی اپنے گھر میں عدت ختم ہونے تک رہنا۔ (۶)

اکثر علماء کا یہی مذہب ہے (کما قال الترمذی) البتہ کوئی شدید ضرورت ہو تو علماء سے فتویٰ لے کر نکل سکتی ہے۔

(۱) بخاری: ۳۱۳، مسلم: ۲۷۳۹، نسائی: ۳۴۷۸، ابوداؤد: ۱۹۵۹، ابن ماجہ: ۲۰۷۸، احمد:

۱۹۸۶۳ (۲) نسائی: ۳۳۸۱، ابوداؤد: ۱۹۶۱ (۳) نسائی: ۳۳۸۰، ابوداؤد: ۱۹۶۰، (۴) ابوداؤد:

۱۹۶۰، احمد: ۲۵۳۶۹، (۵) نسائی: ۳۳۸۱، ابوداؤد: ۱۹۶۱، (۶) ابوداؤد: ۱۹۵۷، ترمذی: ۱۱۲۵،

نسائی: ۳۴۷۰، ابن ماجہ: ۲۰۲۱، احمد: ۲۵۸۳، مالک: ۱۰۸۱، دارمی: ۲۱۸۵

سوگ اور غیر اسلامی رسومات :

سوگ اور عدت سے متعلق غیر شرعی رسمیں جو عوام الناس میں رائج ہیں اور ان سے پرہیز کرنا لازم ہے، وہ یہ ہیں:

گھروں میں کئی کئی ماہ تک سوگ منایا جاتا ہے، جبکہ تین دن سے زیادہ سوگ کرنا، سوائے شوہر کے کسی کے لیے جائز نہیں جیسا کہ اوپر احادیث شریفہ کے حوالے سے بیان ہوا۔ حضرت ام عطیہؓ کا لڑکا فوت ہوا تو تیسرے دن انہوں نے زرد خوشبو منگو کر استعمال کیا اور کہا کہ ہم کو شوہر کے سوا کسی اور پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔^(۱)

بعض گھرانوں میں رواج ہے کہ کسی کے مر جانے پر پہلی عید منانے کو برا خیال کرتے ہیں اور عید و بقر عید کے دن سوگ مناتے ہیں۔ یہ ناجائز و بدعت ہے۔^(۲) بعض جدید ذہنیت کے لوگوں میں بیوی، اپنے شوہر کی وفات پر نہ سوگ کرتی ہے نہ عدت گذارتی ہے، بلکہ عام دنوں کی طرح زیب و زینت بھی کرتی ہے اور گھر کے باہر بازاروں اور تقریبوں میں بھی جاتی ہے، یہ حرام و ناجائز ہے۔

بعض جگہ سنا گیا کہ عورتیں، اپنے شوہر کی قبر پر جا کر، عدت کے دنوں میں باہر نکلنے کی اجازت لیتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں، جاتی ہیں۔ یہ اجازت شرعاً معتبر نہیں، بلکہ فضول اور لغو ہے اور کسی کے اجازت دینے سے بھی یہ حکم خداوندی ٹل نہیں سکتا، لہذا اس طرح کی جاہلی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

سوگ کے دن ختم ہونے پر بعض جگہ ایک رسم منائی جاتی ہے کہ تمام خاندان کی اور جان پہچان کی عورتیں جمع ہو کر، بیوہ کو گھر سے باہر نکالتی ہیں۔ گویا عدت کو ختم کرنے کے لیے یہ سمجھتی ہیں کہ اس بیوہ کو پکڑ کر باہر نکالنا ضروری ہے۔ یہ بھی ایک فضول رسم

(۱) بخاری: ۱۲۷۹ (۲) اصلاح الرسوم: ۱۲۴

ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جب سوگ کے ایام ختم ہو گئے تو خود بخود عورت عدت سے نکل جاتی ہے اگرچہ وہ گھر ہی میں رہے اور باہر بھی نہ نکلے۔ اس کو نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں۔^(۱)

ہیبت کا دیدار کرنا

کسی انسان کے مرنے کے بعد اس کا دیدار اور زیارت کرنا جائز ہے۔ حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت نبی کریم ﷺ کا وصال مبارک ہوا تو حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے اور آپ ﷺ کو اس وقت چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپ ﷺ کا چہرہ انور کھولا پھر جھک کر بوسہ دیا، پھر رویا اور فرمایا کہ قسم بخدا آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ دو موتیں جمع نہیں کرے گا ایک موت جو آپ ﷺ پر لکھی جا چکی تھی، وہ تو آچکی۔^(۲)

اور حضرت رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کے انتقال کے بعد جا کر ان کو بوسہ دیا اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔^(۳)

معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد دیدار کرنا درست ہے، ظاہر ہے کہ بوسہ دینا دیکھنے کے بعد ہی ہوگا البتہ اس سلسلہ میں عوام میں بعض اغلاط رائج ہیں ان کی اصلاح بہت ضروری ہے۔

دیدار کے متعلق بعض اغلاط :

اکثر جگہ رواج ہے کہ میت نامحرم بھی ہو تو اس کا دیدار کرتے ہیں، بلکہ عورتیں تو خاص طور پر میت کے پاس ہی جمع ہو کر بیٹھتی ہیں۔ یاد رہے کہ جس طرح زندگی میں نامحرم کو

(۱) اصلاح انقلاب امت ۱۷۵/۲ (۲) بخاری : ۱۲۴۲، نسائی : ۱۸۱۸، ابن ماجہ : ۱۶۱۶،

احمد : ۲۳۷۱۸، (۳) ابوداؤد : ۴۷۵۰، ابن ماجہ : ۱۳۴۹، ترمذی : ۹۱۰، احمد : ۲۳۰۳۶،

دیکھنا جائز نہیں اسی طرح مرنے کے بعد بھی نامحرم کا دیدار ناجائز ہے۔^(۱)
 اسی لیے علماء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ میت کو غسل صرف وہ دے سکتا ہے جس
 کے لیے میت کو دیکھنا جائز ہے، جو میت کو دیکھ نہیں سکتا وہ میت کو غسل بھی نہیں دے
 سکتا۔^(۲)

اگر ہر ایک کو دیکھنے کی اجازت ہوتی تو یہ لکھنا عبث و بیکار ہوتا۔ لہذا معلوم ہوا
 کہ نامحرم مرد و عورت کو مرنے کے بعد بھی نہیں دیکھنا چاہئے۔
 بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ مرنے کے بعد بیوی کا چہرہ شوہر نہیں دیکھ سکتا۔
 مگر یہ بات غلط ہے، صحیح بات یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو مرنے کے بعد دیکھ سکتا ہے
 ہاں بلا ضرورت اس کو چھو نہیں سکتا۔^(۳)

میت کے دیدار کے لیے لوگوں کا ایسا انتظار کرنا کہ تاخیر ہونے لگے، یہ بھی
 جائز نہیں۔ کیوں کہ میت کو جلد سے جلد اس کی منزل تک پہنچانے کا حکم ہے۔^(۴)
 بعض جگہ بلکہ اکثر جگہ نماز جنازہ کے بعد اور بعض جگہ قبر کے پاس اور قبر میں
 رکھنے کے بعد بھی دیدار کراتے ہیں یہ سب رسمیں ترک کرنے کے قابل ہیں۔^(۵)

(۱) اصلاح انقلاب ۲۳۷/۲ (۲) البحر الرائق: ۱۷۴، شامی: ۱۹۸/۲ (۳) در مختار مع شامی ۲/۱۹۸
 (۴) حضرت مرشدی مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ”میں گذارش
 کرتا ہوں کہ..... رومنائی (دیدار) کی رسم نہ کی جائے، انتقال سے کفن تک جس قدر لوگوں کو چاہیں
 جمع کر لیں، اس کے بعد تاخیر کی گنجائش نہیں۔ مجالس ابرار ملخصاً: ۲/۸۹ (۵) قبر میں رکھنے کے بعد
 دیدار کرانے کے بارے میں عالمگیری میں ہے کہ لا بعث بان یوقع ستر المیت لیروی
 وجہہ وانما یکوہ ذلک بعد الدفن (الہندیہ ۳۵۱/۵) اس کا مفاد حسب اصلاح فقہاء
 خلاف اولیٰ ہے اور اس سلسلہ میں ایک حدیث آئی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ قبر
 میں مت جھانکو۔ قبر ایک امانت ہے، اگر جھانک کر دیکھو گے تو کہیں یہ منظر نہ دکھائی دے کہ کالا
 سانپ مردے کی گردن میں طوق کی طرح پڑا ہے اور کہیں یہ حکم اللہ تعالیٰ نہ دیں کہ قبر سے زنجیر کی
 آواز تم کو سنائی دے۔ مگر اس حدیث کو علامہ ابن الجوزیؒ اور علامہ السیوطیؒ نے موضوع قرار دیا ہے
 (الموضوعات ۳/۲۳۵، التلخیص المصنوعہ: ۲/۴۳۷)

اصول یہ ہے کہ میت کو جلد سے جلد اس کی منزل کو پہنچا دیا جائے، اور اس میں تاخیر نہ کی جائے اور قبر میں رکھنے کے بعد دیدار کرانا تو بہت سخت اور سنگین غلطی ہے۔

کفن و دفن میں چلتا ہے

شریعت کا حکم یہ ہے کہ مرنے کے بعد فوراً غسل، کفن و دفن کا انتظام کیا جائے، اور جتنی جلدی ہو سکے اس کی فکر کی جائے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت طلحہ بن براءؓ بیمار ہوئے تو اللہ کے رسول ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لائے اور فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ طلحہ کی موت آگئی ہے، جب ان کا انتقال ہو جائے تو مجھے خبر دینا اور تم تجمیز و تکفین میں جلدی کرنا کیونکہ مسلمان میت کو گھر والوں میں زیادہ دیر تک رکھنا مناسب نہیں۔ (۱)

نیز احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ جنازہ میں جلدی کرو، میت اگر نیک و صالح ہے تو وہ جگہ اس کے لیے بہتر ہے جس کی طرف تم اس کو لے جا رہے ہو، اور اگر میت نیک نہیں ہے تو وہ شر ہے، اس کو جلدی سے اپنے سے دفع کرو۔ (۲)

تاخیر کی غلط رسم :

مگر افسوس کہ آج عام طور پر اس میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے، بعض جگہ ایک ایک دن بعض جگہ دو دو دن تک میت کو گھر میں رکھے رہتے ہیں، بعض لوگ دور رہنے والے رشتہ داروں کیلئے تاخیر کرتے ہیں حالانکہ ان کا تجمیز و تکفین میں شریک ہونا ضروری نہیں، اصل تو دعا ہے جو دور سے بھی ہو سکتی ہے۔ ایک غیر ضروری چیز کے لیے ضروری کام میں غفلت نہایت درجہ غلط بات ہے۔ دیکھئے حضرت ابو بکرؓ دنیا سے

(۲) ابوداؤد: ۴۷۷۷ (۲) طحاوی: ۲۳۰۱/۱، بخاری: ۱۲۳۱، مسلم: ۱۵۶۸، ترمذی: ۹۳۶، نسائی:

اسلام کے امیر و خلیفۃ المسلمین ہیں، ان کا انتقال رات میں ہوتا ہے اور صبح ہونے سے پہلے صحابہ ان کی تدفین سے فارغ ہو جاتے ہیں۔^(۱)

میت کا غسل

غسل میت کا طریقہ:

میت کو غسل دینے کے لیے سب سے پہلے کسی تخت یا بڑے تختے کا انتظام کر لیں، اس کو اگر بتی یا عود (لوبان) وغیرہ سے تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا سات دفعہ چاروں طرف دھونی دیکر میت کو اس پر لٹا دیں اور بدن سے کپڑے اتار لیں اور کوئی کپڑا ناف سے لے کر زانو تک اڑھادیں۔^(۲)

پھر میت کو استنجاء کرائیں، لیکن اس کی رانوں اور شرمگاہ کو ہاتھ نہ لگائیں اور نہ اس پر نگاہ ڈالیں بلکہ اپنے ہاتھ میں کوئی کپڑا لپیٹ لیں اور میت پر جو کپڑا پڑا ہے اس کے اندر ہاتھ ڈال کر استنجاء کرائیں۔^(۳)

حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ:

﴿لَا تَبْرُزْ فَخْذَكَ وَلَا تَنْظُرَنَّ إِلَى فَخْذِ حَيٍّ وَلَا مَيِّتٍ﴾^(۴)

(اپنی ران کسی کے سامنے نہ کھولو اور نہ کسی زندہ یا مردہ کی ران کی طرف نظر کرو)

نیز حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت علیؓ نے آپ کو غسل دیا تو اپنے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ لیا تھا۔^(۵)

پھر وضو کرائیں جیسے نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے۔ حضرت ام عطیہؓ کی لڑکی

(۱) بخاری: ۱۳۸۷، احمد: ۲۳۸۵۶، تاریخ الخلفاء للسیوطی: ص: ۷۹، والبدایۃ والنہایۃ: ۱۵/۷،

(۲) مراقی الفلاح: ۱۴۰، در مختار مع شامی ۱۹۵/۲ (۳) مراقی الفلاح: ۱۴۰، در مختار مع شامی

۱۹۵/۲ (۴) ابوداؤد: ۲۷۳۳۲، ابن ماجہ: ۱۴۴۹، احمد: ۱۱۸۴، بیہقی: ۶۷۲۰ (۵) بیہقی: ۶۷۲۰

کا انتقال ہوا تو نبی کریم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ پہلے وضو کے اعضاء سے غسل شروع کریں۔ (۱)

مگر کلی کرانے اور ناک میں پانی ڈالنے کی ضرورت نہیں، ہاں اگر میت حیض، نفاس یا جنابت کی حالت میں ہے تو کلی کرانا اور ناک میں پانی ڈالنا چاہئے۔ (۲)

پہلے منہ پھر کہنیوں سمیت ہاتھ دھلائیں پھر سر کا مسح کرائیں، پھر پیر دھلائیں اور کپڑے کو تر کر کے دانتوں کو صاف کریں اور ناک کے سوراخوں میں کپڑا پھیر دیں۔ (۳)

ناک، منہ اور کان میں روئی رکھ دیں تاکہ پانی اندر نہ جانے پائے، پھر سر کو صابون وغیرہ سے اچھی طرح دھو دیں، پھر میت کو بائیں کروٹ پر لٹا کر بیری کے پتے ڈال کر پکایا ہوا پانی نیم گرم، تین دفعہ سر سے پیر تک ڈالیں یہاں تک کہ وہ پانی تخت کو لگے ہوئے حصہ تک پہنچ جائے پھر داہنی کروٹ پر لٹا کر، اسی طرح تین مرتبہ پانی ڈالیں، پھر میت کو کوئی شخص اپنے بدن سے ٹیک لگا کر بٹھائے اور پیٹ کو آہستہ آہستہ ملے اور دبائے، اگر نجاست نکلے تو اس کو صاف کر دے، پھر میت کو بائیں کروٹ پر لٹا کر کافور پڑا ہوا پانی سر سے پیر تک تین دفعہ ڈالیں اور کسی صاف کپڑے سے بدن کو صاف کر دیں۔ (۴)

حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی لڑکی کے انتقال پر ان کے غسل کے بارے میں عورتوں کو حکم دیا کہ تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا اس سے زیادہ اس کو غسل دو اور ہو سکے تو بیری کے پتوں اور پانی سے غسل دو اور آخری دفعہ

(۱) بخاری: ۱۱۷۷، مسلم: ۱۵۶۰، نسائی: ۱۸۶۱، ابوداؤد: ۴۷۳۵، (۲) کتاب الآثار للامام ابی یوسف: ۷۶، در مختار مع شامی ۱۹۶/۲ (۳) مراقی الفلاح: ۱۴۰، البحر الرائق: ۱۷۳/۲ (۴) کتاب الآثار للامام ابی یوسف: ۷۶ تا ۷۷، در مختار: ۱۹۶/۲، البحر الرائق: ۱۷۳/۲

کافور بھی اس میں ڈال دو۔^(۱)

حدیث اور فقہ کی روشنی میں غسل میت کا مکمل طریقہ یہاں پیش کیا گیا ہے اس کے مطابق میت کو غسل دینا چاہئے تاکہ یہ فرض صحیح و شرعی طریقہ کے مطابق ادا ہو، اور خصوصاً مؤذن لوگوں کو جو غسل دینے کا کام کرتے ہیں، ان کو چاہئے کہ اس طریقہ پر غسل دینے کی مشق کریں۔

غسل میت کے چند اہم مسائل:

نہلانے والا وہ ہو جس کے لیے میت کا دیکھنا جائز ہے، لہذا اجنبی عورت کو اجنبی مرد اور اجنبی مرد کو اجنبی عورت غسل نہیں دے سکتے، ہاں مرد کو اس کی بیوی غسل دے سکتی ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ کے مسلک میں مرد اپنی بیوی کو بھی غسل نہیں دے سکتا۔^(۲)

متعدد طرق سے یہ حدیث آئی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر عورت مردوں کے درمیان مرجائے اور وہاں کوئی عورت نہ ہو، اسی طرح اگر کوئی مرد عورتوں کے مابین مرجائے اور وہاں کوئی مرد نہ ہو تو ان کو تیمم کرا دیا جائے۔^(۳) اس میں آپ ﷺ نے یہ تفصیل نہیں بیان کی کہ عورت کا شوہر اس جگہ موجود ہے یا نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا شوہر وہاں ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں ایک ہی حکم ہے۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم اس (بیوی) کے زیادہ حقدار تھے جب تک کہ وہ زندہ تھی اور جب مر گئی تو تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔^(۴)

(۱) بخاری: ۱۱۷۷، مسلم: ۱۵۵۷، نسائی: ۱۸۶۱، ترمذی: ۹۱۱، ابن ماجہ: ۱۴۴۸، احمد: ۲۶۰۳۴

(۲) در مختار: ۱/۱۹۸، البحر الرائق: ۱/۷۴۲، (۳) بیہقی: ۲۵۹/۵، مرا سیل ابو داؤد: ۴۱۴، (۴)

کتاب الآثار لامام محمد: ۷۷

اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد بیوی کو غسل دینے کا حق مرد کو نہیں ہے۔
یہ حضرت عمر کا قول معلق ہے اور معلق حدیث، مرسل کے حکم میں ہوتی ہے اور حدیث
مرسل بہت سے محدثین اور فقہاء کے نزدیک حجت ہے۔^(۱)

بہتر ہے کہ غسل دینے والا میت کا کوئی رشتہ دار ہو اور اگر رشتہ دار غسل دینا نہ
جانتا ہو تو پھر کوئی دوسرا آدمی جو متقی ہو، غسل دے۔^(۲)

جو بچہ پیدا ہو کر مر جائے اس کو بھی غسل دینا چاہئے اور جو مر کر پیدا ہو، اس کو
بھی بہتر ہے کہ غسل دیا جائے اور اگر بچہ ناقص پیدا ہو تو اس کو غسل دینے میں
اختلاف ہے، بہتر ہے کہ دیدیا جائے۔^(۳)

چھوٹے بچہ یا بچی کو مرد یا عورت جو چاہے، غسل دے سکتے ہیں۔^(۴)
مرد کا انتقال ایسی جگہ ہو جائے جہاں اس کو غسل دینے والا کوئی مرد نہ ہو یا
عورت کا انتقال ایسی جگہ ہو جائے جہاں اس کو غسل دینے والی کوئی عورت نہ ہو، تو
اس مرد و عورت کو تیمم کرا دیا جائے اور تیمم کے لیے ہاتھوں پر کوئی کپڑا لپیٹ لیا جائے
ہاں اگر کوئی محرم ہو تو بغیر کپڑے کے تیمم کر دے۔^(۵)

میت کو غسل دینے کے بعد غسل دینے والے کو غسل کر لینا مستحب ہے۔ حدیث
میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو میت کو غسل دے، وہ غسل کر لے۔^(۶)
✽ غسل میت کی اغلاط:

غسل میت کے متعلق بھی عوام میں بعض اغلاط و منکرات رائج ہیں، جن سے
بچنا چاہئے مثلاً:

(۱) قالہ فی اعلاء السنن ۱۸۶/۸ (۲) البحر الرائق: ۱۷۳/۲، (۳) ہدایہ: ۱۶۱/۱، مراقی الفلاح:
۱۴۶، در مختار مع شامی ۲۲۸/۱ (۴) مراقی: ۱۴۶ (۵) اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو مسئلہ نمبر
(۱) کے تحت گزر چکی ہے (۶) ابوداؤد: ۴۷۳۹، ابن ماجہ: ۱۴۵۲، ترمذی: ۹۱۴، احمد: ۷۳۶۴

بہت سے لوگ میت کو غسل دینے سے ڈرتے یا نفرت کرتے ہیں، اگرچہ میت رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، یہ بڑی غلط بات ہے۔ سوچنا چاہئے کہ آخر ہم بھی ایک دن مریں گے، اس وقت ہمارے رشتہ دار ہم سے خوف کھائیں اور نفرت کریں تو کیا ہوگا؟ ایک تابعی بزرگ عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ جو بھی مرتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس کے گھر والے کیا کر رہے ہیں اور یہ کہ اس کو غسل و کفن دے رہے ہیں اور وہ ان کو دیکھتا ہے۔^(۱)

غرض یہ کہ جب میت کو اہل خانہ کے حالات و معاملات کا علم ہوتا ہے تو اس کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کون اس سے نفرت کر رہا ہے۔ لہذا ایسا نہ کرنا چاہئے۔ بعض لوگ مر کر پیدا ہونے والے اور پیدا ہو کر مرنے والے بچوں کو غسل دیئے بغیر دفن دیتے ہیں، اوپر یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ پیدا ہو کر مرنے والے بچے کو غسل دینا ضروری ہے اور مر کر پیدا ہونے والے بچے کو غسل دینا مستحب ہے، اس لیے اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔ بعض جگہ ہسپتالوں میں جو لوگ دور دور سے آتے ہیں اور وہاں ولادت ہوتی ہے اور کبھی بچہ مر کر پیدا ہوتا ہے تو لوگ ہسپتال کی ماماؤں کو دفن کرنے کا معاملہ سپرد کر دیتے ہیں، یہ بڑی بے مروتی ہے۔

اکثر لوگوں میں رسم ہے کہ غسل میت کے لیے پانی گرم کرنے اور نہلانے کے لیے نئے برتن خریدتے ہیں جبکہ گھر میں برتن موجود ہوتے ہیں، پھر غسل کے بعد ان برتنوں کو اور غسل کے کپڑوں کو خیرات کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ یہ محض من گھڑت رسم ہے اور اس میں لوگوں کے عجیب عقائد ہیں۔ مثلاً بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مردوں کی یہ چیزیں استعمال کرنے سے استعمال کرنے والا جلدی مر جاتا ہے۔ اور بعضوں کا خیال ہے کہ یہ استعمال شدہ چیزیں منحوس ہو جاتی ہیں۔ یہ سب بے اصل باتیں اور نظریات ہیں۔

اولاً: نئے برتن لینا ہی کیا ضروری ہے؟ پھر ان غلط عقائد سے خیرات کرنا کونسا بھلا کام ہے؟ ہاں اگر محض ثواب کی نیت سے خیرات کریں اور کوئی غلط عقیدہ شامل نہ ہو، تو یہ کار ثواب ہے مگر اس میں بھی یہ مسئلہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر یہ برتن اور کپڑے میت کے مال سے ہیں تو ان کا وارثوں کی اجازت کے بغیر خیرات کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ میت کا ترکہ اور میراث ہے جس کے حقدار اس کے وارث ہونگے۔ پھر ان وارثین کی اجازت بھی اس وقت معتبر ہے جبکہ تمام وارثین بالغ ہوں۔ اگر کوئی وارث نابالغ ہے تو اس کی اجازت بھی معتبر نہیں۔ یہ مسئلہ کسی مستند عالم سے پوچھ کر اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

بعض لوگ غسل کے پانی پر کچھ آیات، درود شریف یا کچھ دعائیں پڑھ کر دم کر کے اس سے میت کو غسل دیتے ہیں، اس کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں۔

فکھین کے احکام

غسل سے فراغت کے بعد، کپڑے سے میت کا جسم صاف کر لیا جائے اور فوراً کفن پہنانے کا انتظام کیا جائے۔
کفن کے چند مسائل:

کفن سفید ہو تو زیادہ بہتر ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے کپڑوں میں سے سفید پہنا کرو، کیونکہ وہ سب سے بہتر ہیں اور اسی میں سے اپنے مردوں کو کفن دو۔^(۱)

کفن بہت قیمتی نہ ہونا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کفن بہت قیمتی نہ دو کیونکہ وہ بہت جلد اچک لیا جاتا ہے^(۲)۔
مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ گھٹیا کفن دیا جائے، بلکہ نہ گھٹیا ہونہ بہت قیمتی ہو۔

(۱) ترمذی: ۹۱۵، ابوداؤد: ۳۵۳۹، ابن ماجہ: ۱۱۳۶۱، احمد: ۲۱۰۹، (۲) ابوداؤد: ۲۷۴۲۲

چنانچہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ کفن اچھا دو۔^(۱)

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ علماء نے فرمایا ہے کہ اچھا کفن دینے سے اسراف کرنا اور بہت قیمتی کفن دینا یا نفیس کفن دینا مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ کفن صاف ستھرا اور موٹا ہو جو بدن کو ڈھانک سکے اور درمیانی قسم کا ہو اور ایسا جو وہ اپنی زندگی میں پہنتا تھا، نہ بہت عمدہ اور نہ بہت حقیر۔^(۲)

کفن صرف ان کپڑوں میں جائز ہے جن کا پہننا زندگی میں جائز تھا، مرد کے لیے خالص ریشمی کفن یا زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے کا کفن جائز نہیں، البتہ عورتوں کے لیے اس کی اجازت ہے۔^(۳)

کفن کا خرچہ خود میت کے مال سے لیا جائے گا، اگر میت کا مال نہ ہو تو کفن کی ذمہ داری اس پر ہے جو اس میت کی زندگی میں اس کا خرچہ چلاتا تھا، مثلاً بچہ کے کفن کی ذمہ داری باپ پر ہے۔ البتہ بیوی کا کفن ہر صورت میں مرد کے ذمہ ہے خواہ عورت کا مال ہو یا نہ ہو، اور جس آدمی کا نہ مال ہو اور نہ کوئی ذمہ دار، اس کا کفن تمام مسلمانوں کے ذمہ ہے۔^(۴)

مرد کو کفننانے کا طریقہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آقائے نامدار مدینہ کے تاجدار خاتم المرسلین محمد مدنی ﷺ کے ذریعہ دین اسلام بھیج کر انسانیت پر اپنا فضل عظیم و عیم فرمایا جس میں اس نے انسان کے مرنے پر اس کی تعظیم بھی سکھائی ہے۔ اور اسی سلسلہ میں کفن کے احکام بھی ہیں، مرد کے کفن میں تین کپڑے دینا سنت ہے، رسول اللہ ﷺ کو تین کپڑوں

(۱) مسلم: ۱۵۶۷، ابوداؤد: ۲۷۳۷، نسائی: ۱۸۶۹، احمد: ۱۳۲۳۱، ترمذی: ۹۱۶، ابن ماجہ: ۱۴۶۲،

(۲) (۱) شرح مسلم للنووی ۳۰۶۱ (۳) در مختار مع شامی ۲۰۵، العرف الشذی ۱۲۱ مع ترمذی

۱، البحر الرائق: ۱۷۶۲ (۴) شرح مسلم للنووی ۳۰۶۱، در مختار مع شامی ۲۰۵

میں کفن دیا گیا تھا۔^(۱)

ان تین کپڑوں میں سے ایک ازار ہو جو اتنی لمبی ہو کہ سر تا پا ڈھک جائے اور ڈیڑھ گز چوڑی ہو، دوسرے کفنی جس کی مقدار گلے سے پیر تک ہو، تیسرے چادر جس کی مقدار ازار سے کچھ زیادہ ہو۔^(۲)

کفنانے سے پہلے کفن کو عود یا کسی خوشبودار چیز کی دھونی دی جائے، پھر کفن کو اس ترتیب سے بچھا دیا جائے کہ پہلے چادر ہو پھر اس کے اوپر ازار، اس کے اوپر کفنی (قمیص جو بلا آستین ہو) کا نیچے کا حصہ بچھا دیا جائے، اوپر کا حصہ سر کے پاس لپیٹ کر رکھ دیں۔ اب میت کی ڈاڑھی اور سر میں خوشبو لگائیں۔^(۳)

اور پیشانی، ناک اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک اور گھٹنوں اور قدموں پر کافور مل دیا جائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میت کے سجدے کی جگہوں پر کافور ڈال دیا جائے۔^(۴)

نیز حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ان کی بیوی کو مشک دیا اور فرمایا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے عطر لگا دینا کیونکہ اللہ کی ایک مخلوق اس وقت حاضر ہوتی ہے، اور اس وقت لوگ کھانا اور پانی تناول نہیں کرتے بلکہ خوشبو حاصل کرتے ہیں۔^(۵)

اس کے بعد میت کو کفنی پر لٹا کر پہلے کفنی کا جو حصہ سر کے پاس لپیٹ کر رکھا تھا، وہ پہنا دیں پھر ازار کو اس طرح اوپر لپیٹیں کہ بائیں جانب کا حصہ نیچے رہے اور دائیں جانب کا حصہ اوپر رہے، پھر اسی طرح اوپر والی چادر لپیٹیں اور سر کی طرف اور

(۱) بخاری: ۱۱۹۲، مسلم: ۱۵۶۳، ترمذی: ۹۱۷، نسائی: ۱۸۷۱، ابوداؤد: ۲۷۴۰، ابن ماجہ: ۱۳۵۸، احمد:

۲۶۹۹۲، مالک: ۴۶۷۷، (۲) در مختار مع شامی: ۲۰۲/۲، مرقاۃ الفلاح: ۱۴۳، (۳) ہدایہ: ۱۵۹/۱،

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳۱/۳، سنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۷۵/۵، (۵) نصب الراية:

پیروں کی طرف سے کفن کو باندھیں۔ (۱)

اور یاد رہے کہ میت کو کفن میں رکھتے وقت میت کے ہاتھ بازوؤں میں رکھیں، سینہ پر نہ رکھیں کیونکہ یہ کفار کا طریقہ ہے۔ (۲)

عورت کو کفن کا طریقہ :

عورت کے لیے پانچ کپڑے کفن میں دینا مسنون ہے، حضرت ام عطیہ ؓ اپنی بیٹی کے کفن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ ہم نے اس کو پانچ کپڑوں میں کفنایا اور جس طرح زندہ سر ڈھانکتا ہے اسی طرح ہم نے اس کا سر ڈھانک دیا۔ (۳)

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت لیلیٰ بنت قائف کہتی ہیں کہ حضرت ام کلثوم ؓ بنت رسول اللہ ﷺ کو جب غسل دیا گیا تو پہلے رسول اللہ ﷺ نے ازار دی پھر قمیص، پھر اوڑھنی پھر سینہ بند پھر ایک کپڑا جس میں ان کو رکھا گیا۔ (۴)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے کفن میں پانچ کپڑے مسنون ہیں (۱) ازار (۲) قمیص یعنی کفنی جو آستین کے بغیر ہوگی (۳) اوڑھنی (۴) سینہ بند (۵) چادر۔ ان میں سے ازار، کفنی اور چادر تو ویسے ہی ہونگے جیسے مرد کے لیے ہوتے ہیں اور سینہ بند دو گز لمبا اور سوا گز چوڑا ہوتا کہ بغل کے نیچے سے پنڈلی تک آسکے اور سر بند یعنی اوڑھنی ڈیڑھ گز لمبی اور بارہ گز چوڑی ہو۔

کفن کو خوشبو سے دھونی دینے کے بعد پہلے چادر بچھائی جائے اس کے بعد ازار اس کے اوپر کفنی، پھر میت کو رکھ کر کفنی پہنا دی جائے اور اس کے بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ داہنی طرف، ایک حصہ بائیں طرف کر کے سینہ پر رکھ دئے جائیں، پھر سر بند کو سر اور بالوں پر ڈال دیا جائے، اس کے بعد ازار لپیٹی

(۱) در مختار مع شامی ۲/۲۰۴، (۲) در مختار مع شامی ۲/۱۹۸، (۳) رواہ الجوزی، قال ابن حجر: هذه الزيادة صحيحة الاسناد فتح الباری: ۳/۱۳۳، (۴) ابوداؤد: ۲/۴۵۰، سنن بیہقی: ۲/۶۸۷، نصب

جائے پھر چادر جیسا کہ مرد کے کفن میں مذکور ہوا، پھر سب سے اوپر سینہ بند باندھ دیا جائے۔ (۱)

ہائندہ: چھوٹے بچہ یا بچی کو بہتر ہے کہ مذکورہ طریقہ پر ہی کفن دیا جائے اور اگر چھوٹے لڑکے کو ایک کپڑے میں اور چھوٹی بچی کو دو کپڑوں میں کفن دیا جائے تو بھی جائز ہے اور مر کر پیدا ہونے والے بچے یا ناقص بچے کو بھی مکمل کفن دینا ضروری نہیں، صرف ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے تو درست ہے۔ (۲)

✽ کفن کے بارے میں بے اعتدالیاں:

کفن کے بارے میں عوام میں جو بے اعتدالیاں اور غلط رسومات ہوتی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے، لوگوں کو چاہئے کہ ان کی اصلاح کریں۔

✽ کفن میں عمامہ:

کفن میں صرف وہ کپڑے مسنون ہیں جن کا اوپر ذکر آیا، ان کے علاوہ عمامہ باندھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا جس میں نہ قمیص تھی اور نہ عمامہ تھا۔ (۳)

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ میت کے لیے عمامہ مکروہ ہے۔ علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ عمامہ میت کے لیے ہر حال میں مکروہ ہے۔ البتہ بعض فقہاء نے علماء کے لیے اس کی اجازت دی ہے۔ (۴)

غرض یہ کہ سنت تو یہی ہے کہ کفن میں عمامہ نہ ہو، لہذا سنت کی اتباع کرنا چاہئے، اسی میں خیر ہے۔

(۱) در مختار و شامی ۲/۲۰۴ (۲) در مختار و شامی ۲/۲۰۴ (۳) بخاری ۱۱۹۲، مسلم: ۱۵۶۳، ترمذی: ۹۱۷، نسائی: ۱۸۷۲، ابوداؤد: ۲۷۴۰، ابن ماجہ: ۱۴۵۸، احمد: ۲۳۷۲۳، مالک: ۴۶۷ (۴) در مختار مع شامی ۲/۲۰۴، البحر الرائق ۲/۱۷۵

کفن پر عطر:

اکثر عوام میں رواج ہے کہ کفن کے اندر و باہر عطر کا چھڑکاؤ کر دیتے ہیں حالانکہ خوشبو، میت کے صرف ان اعضاء پر لگانے کا حکم ہے جن پر سجدہ کیا جاتا ہے یا سر اور ڈاڑھی میں لگانے کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ اوپر گزرا، یا کفن کو دھونی دینے کا ذکر آیا، چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ میت کو تین دفعہ دھونی دو اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ میت کے کفن کو تین مرتبہ دھونی دو۔^(۱)

مگر کفن پر عطر ملنا ثابت نہیں ہے بلکہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے گھروالوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو میرے کپڑوں (کفن) کو دھونی دینا پھر مجھے خوشبو لگانا لیکن میرے کفن پر خوشبو نہ چھڑکنا۔^(۲)

غرض یہ کہ یہ طریقہ جو عوام میں رائج ہے کہ کفن میں عطر لگاتے ہیں، یہ سنت نہیں ہے لہذا اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

کفن میں بڑائی کا مظاہرہ:

بعض جگہ کفن پہناتے وقت بھی لوگوں کو اپنی بڑائی کا احساس باقی رہتا ہے، اس لیے بہت قیمتی کفن پہناتے ہیں اور اپنی شان کا مظاہرہ کرتے ہیں، اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیمتی کفن دینے سے منع کیا ہے اور پھر ہم نے وہیں اس حدیث کا ذکر کر کے جس میں عمدہ کفن دینے کا ذکر آیا ہے، دونوں حدیثوں میں تطبیق کی صورت بھی ذکر کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ بہت قیمتی لباس جس پر فخر کیا جائے، یہ

(۱) رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ: ۲۷۴/۵، و احمد بن حنبل فی المسند: ۴۰۱۳، والحاکم فی المستدرک، قال النووی: اسنادہ صحیح، (شرح المعذب: ۱۵۵/۵) (۲) مؤطا امام مالک: ۴۷، بیہقی: ۶۷۰۵، اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے، وہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں، (شرح معذب:

جائز نہیں۔ ہاں بہت خستہ اور معمولی کفن بھی نہ دیا جائے بلکہ درمیانی قسم کا ہونا چاہئے۔
 ﴿کفن میں ٹوپی، لنگی وغیرہ﴾

بعض جگہ کفن میں ٹوپی اور پانچامہ دینے کا رواج ہے جو سراسر خلاف سنت و مکروہ ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ فرماتے ہیں :

”پانچامہ اور ٹوپی کفن مسنون سے علیحدہ دیا جاتا ہے تو یہ بالکل فضول اور ناجائز ہے، ٹوپی اور پانچامہ کفن میں داخل نہیں ہے اور نہ ثابت ہے۔ (۱)
 اسی طرح کفن میں لنگی دینا بھی جائز نہیں اور بدعت ہے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے تصریح فرمائی ہے۔ (۲)
 ﴿میت کے لیے سرمہ اور کنگھی﴾

بعض لوگ میت کو سرمہ لگاتے اور کنگھی کرتے ہیں، یہ بھی صحیح نہیں ہے، حضرات فقہاء نے تصریح کی ہے کہ میت کے لیے زیب و زینت کی چیزیں جائز نہیں۔ (۳)
 اور ظاہر ہے کہ سرمہ بھی زینت کی چیز ہے اس لیے میت کو سرمہ لگانا بھی جائز نہیں (۴)

اسی طرح میت کو کنگھی کرنا بھی پسندیدہ نہیں، حضرت عائشہؓ نے دیکھا کہ کسی میت کو لوگ کنگھی کر رہے ہیں تو فرمایا اعلام تنصون میتکم۔ (۵)
 مطلب یہ ہے کہ میت کے لیے کنگھی کی کوئی ضرورت نہیں۔ معلوم ہوا کہ میت کو کنگھی کرنا درست نہیں اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ ابن

(۱) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۲۷۱، (۲) اصلاح انقلاب امت: ۲۴۲/۱، (۳) شامی: ۲/۱۹۸،

(۴) امداد الفتاویٰ: ۱۲/۱، (۵) کتاب الآثار للامام محمد: ص ۴۶ و کتاب الآثار للامام اب یوسفؒ

: ۷۸، قلت: ورواہ عبد الرزاق و ابو عیبة القاسم و ابراہیم الحرثی، کما قال الزیلعی فی نصب الراية: ۲/۲۶۸

قدامہ الحبلیؒ نے معنی میں لکھا ہے۔ (۱)

اور جو بخاری وغیرہ میں ہے کہ حضرت ام عطیہؓ کی لڑکی کے بالوں کو کنگھی کر کے تین مینڈھیاں بنائی گئیں تو اس سے مراد کنگھی کرنا نہیں ہے بلکہ ہاتھ سے بالوں کو درست کر کے ان کو تین حصوں میں کرنا مراد ہے۔ (۲)

غرض یہ کہ میت کے لیے سرمہ، کنگھی وغیرہ زیب و زینت کی چیزیں ممنوع ہیں۔ ہاں اگر کنگھی کرنا کسی ضرورت کی بنا پر ہو تو اس کی بعض علماء نے اجازت دی ہے۔ (۳)

✽ میت کے بال و ناخن تراشنا:

میت کے بال کاٹنا یا ناخن تراشنا جائز نہیں، امام محمد بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ میت کے ناخن نہ تراشے جائیں اور نہ اس کے بال کاٹے جائیں۔ (۴)

ہدایہ میں ہے کہ میت کے نہ ناخن کاٹے جائیں اور نہ بال کاٹے جائیں، کیونکہ یہ چیزیں زینت کے لیے ہیں اور میت ان سے مستغنی ہے۔ (۵)

اسی طرح دیگر علماء نے بھی تصریح کی ہے، امام شافعیؒ سے امام بیہقیؒ نے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ہمارے اصحاب میں سے بعض نے کہا کہ مرنے کے بعد نہ میت کے سر کے بال مونڈے جائیں اور نہ اس کے ناخن تراشے جائیں، اور بعض اسیس کوئی مضائقہ و حرج نہیں سمجھتے۔ (۶)

مگر بعض لوگ میت کی ڈاڑھی تک کٹاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد شیونگ کرنا بھی جائز نہیں۔

(۱) المغنی ۲: ۲۹۹/۲ (۲) امام احمدؒ نے اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے (المغنی ۲: ۲۹۹) (۳) اعلام السنن ۱۸۲/۸ (۴) کتاب الآثار ص: ۴۶، (۵) الحدایہ ۱: ۱۵۹، (۶) سنن بیہقی: ۱۵

✽ کفن میں ابیر:

بعض جگہ رواج ہے کہ کفن دیتے وقت میت کی پشت و سینہ پر ابیر (جو بقول بعض صندل کا سفوف ہے) ڈال دیتے ہیں، سنت سے اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جو ثابت تھا وہ اوپر درج کر دیا گیا۔ لہذا اس سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔

✽ کفن میں کلمہ و عہد نامہ:

بعض جاہل لوگوں میں رواج ہے کہ کفن پر کلمہ لکھتے ہیں اور بعض لوگ کفن میں عہد نامہ رکھ دیتے ہیں، یہ ناجائز ہے، کیونکہ یہ مقدس چیزیں میت کے گلے، سڑنے پر نجاست سے ملوث ہو جائیں گی جو ان چیزوں کے احترام کے خلاف ہے۔ علامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ:

”قرآن کی آیات اور اللہ کے ناموں کا درہم و محراب و دیوار اور فرش پر لکھنا مکروہ ہے اور یہ صرف اس وجہ سے مکروہ ہے کہ ان کے روندے جانے کا خوف ہے جس سے ان کے احترام میں فرق آئے گا اور توہین ہوگی، لہذا کفن میں ان کا لکھنا بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا۔ (۱)

البتہ صرف انگلی سے لکھا جائے تو اس کی اجازت ہے۔ (۲)

مگر اس کو سنت و مستحب یا ضروری نہ سمجھنا چاہئے کہ غیر ضروری کو ضروری سمجھنا بدعت ہے۔

✽ کفن میں پیروں کا شجرہ:

بعض عوام میں پیروں کی اندھی عقیدت کے نتیجے میں عجیب و غریب خرافات رائج ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پیر و مرشد کا شجرہ کفن میں رکھ دیتے ہیں اور

یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس شجرہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میت کی مغفرت فرمادیتے ہیں اور بلا حساب و کتاب جنت میں داخل کر دیتے ہیں، مگر یہ عقیدہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے، اللہ کے نزدیک معیارِ نجات ایمان و عمل صالح ہے حضرت نبی کریم ﷺ پر جب آیت ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ نازل ہوئی تو کھڑے ہوئے اور نام بنام قریش، بنو عبد المطلب، بنو عبد مناف، اور اپنے چچا عباس، اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پکارا اور فرمایا کہ

میں تم کو اللہ کے پاس کچھ کام نہیں آ سکتا، تم خود اپنے آپ کو دوزخ سے نکالو اور بچاؤ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے خاص طور پر فرمایا کہ تو مجھ سے چاہے تو مال طلب کر لینا مگر میں تجھ کو اللہ کے پاس کام نہ آ سکوں گا۔ (۱)

جب اللہ کے نبی ﷺ اپنی لخت جگر اور اپنی پھوپھی سے یہ فرما رہے ہیں تو کسی اور کے شجرہ سے کیا کام بن سکتا ہے؟ اس پر غور کرنا چاہئے اور اس طرح کی خرافات سے بچنا چاہئے۔

فَسَانِ جَنَازَہ کے احکام

جب تکفین سے فراغت ہو جائے تو میت کو کسی چار پائی (پلنگ) یا جنازہ پر رکھ کر جلد سے جلد نماز جنازہ پڑھنے کی فکر کریں۔

✽ نماز جنازہ کا طریقہ:

نماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کو سامنے رکھ کر امام اس کے سینہ کے برابر کھڑا ہو اور باقی لوگ امام کے پیچھے صفیں بنا کر کھڑے ہوں۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کی نماز جنازہ پڑھائی اور وسط (درمیان) میں کھڑے

(۱) بخاری: ۲۵۴۸، مسلم: ۳۰۵، نسائی: ۳۵۸۶، دارمی: ۲۶۱۶، ترمذی: ۲۲۳۲، احمد: ۸۸۱۲

(۱) ہوئے۔

اور بہتر ہے کہ امام کے پیچھے کم از کم تین صفیں بنائی جائیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿ ماصِلَى ثَلَاثَةِ صُفُوفٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَسْتَغْفِرُونَ لَهُ إِلَّا أَوْجِبَ ﴾۔ (۲)

(یعنی: کسی بھی مسلمان پر تین صفیں مسلمانوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھتیں مگر اللہ اس کے لیے (جنت) واجب کر دیتا ہے)

صفوں کو درست کرنے کے بعد امام چار تکبیر کہے اور اس کے بعد مقتدی بھی چار تکبیریں کہیں مگر صرف پہلی تکبیر پر کانوں تک ہاتھ اٹھائیں جیسا کہ عام نمازوں میں کانوں تک اٹھاتے ہیں اور بعد کی تین تکبیروں میں ہاتھ نہ اٹھائیں۔ (۳)

(۱) بخاری: ۱۲۳۶، مسلم: ۱۶۰۲، ترمذی: ۹۵۶، نسائی: ۳۹۰، ابوداؤد: ۲۷۸۰، ابن ماجہ: ۱۳۸۲، احمد: ۱۹۳۰۳، طحاوی: ۲۳۷۱، معلوم ہونا چاہئے کہ امام جنازہ کے پاس کہاں کھڑا ہو؟ اس سلسلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ اور علماء حنفیہ کے بھی اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ سینہ کے پاس کھڑا ہو اور دوسرا یہ کہ میت اگر مرد ہے تو سر کے پاس اور عورت ہے تو سرین کے پاس کھڑا ہو، (ابوداؤد: ۲۷۷۹، ترمذی: ۹۵۵، ابن ماجہ: ۱۳۷۳، احمد: ۱۱۷۳۵)، میں حضرت انسؓ کا یہی عمل بتایا گیا ہے، ہمارے علماء نے حضور اکرم ﷺ کے مطابق سینہ کے پاس کھڑے ہونے کو ترجیح دی ہے۔ (دیکھو علماء السنن: ۸ / ۲۲۷) (۲) سنن بیہقی: ۷۰۰۵، ترمذی: ۹۴۹، ابوداؤد: ۲۷۵۳، ابن ماجہ: ۱۳۷۹ (۳) جنازہ کی نماز میں کتنی تکبیریں ہیں اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے، اکثر احادیث میں چار کا ذکر ہے جب حضرت نبی کریم ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی تو آپ نے چار تکبیریں کہیں (بخاری: ۱۲۳۳، مسلم: ۱۵۸۰، ترمذی: ۹۴۳، نسائی: ۱۹۲۶، ابوداؤد: ۲۷۸۹، ابن ماجہ: ۱۵۲۳، احمد: ۶۸۵۰، مالک: ۴۷۹، طحاوی: ۲۳۸۸)، نیز حضرت آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ پر فرشتوں کا چار تکبیر کہنا بھی احادیث میں آیا ہے اور خود حضرت نبی کریم ﷺ کے لیے بھی چار ہی تکبیرات حضرات صحابہ نے کہی تھیں (دارقطنی: ۷۱۲، سنن بیہقی: ۳۶۲/۵)

پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھا کر باندھ لیں جیسے عام نمازوں میں باندھتے ہیں۔ (۱)

پھر اللہ کی حمد و ثناء کریں اور یہ حمد و ثناء خواہ سورہ فاتحہ سے ہو یا اور کسی دعاء سے ہو جیسے عام نمازوں میں ثناء پڑھی جاتی ہے۔ (۲)

(۱) جنازہ میں ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھائیں یا صرف پہلی تکبیر پر؟ اس بارے میں بھی اختلاف ہوا ہے، (ترمذی: ۹۹۸) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھائے، اسی طرح (دارقطنی: ۷۵) میں ہے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ صرف اول تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے پھر نہ اٹھاتے، اور بعض احادیث سے ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ملتا ہے، مگر اس بارے میں مرفوع حدیث جس کو دارقطنی نے علل میں روایت کیا ہے، وہ ضعیف ہے اور اس کا حضرت ابن عمرؓ پر موقوف ہونا ہی صحیح ہے جیسا کہ دارقطنی نے خود فرمایا ہے (نصب الراية: ۲۹۲/۲) ہاں بعض صحابہ سے مروی ہے کہ وہ ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے (دیکھو انھیں الخیر والدراية فی تخریج الھدایۃ والسنن للکلبی: ۳۷۹/۵)، امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے، البتہ علماء حنفیہ نے اوپر کی احادیث کی بنا پر صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھانے کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) پہلی تکبیر کے بعد کیا پڑھا جائے؟ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ کوئی بھی حمد و ثناء پر مشتمل دعاء پڑھی جاسکتی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ نے جنازہ میں اپنا یہی معمول بیان کیا ہے، وہ خود فرماتے ہیں کہ میں تکبیر کہتا ہوں اور اللہ کی حمد کرتا ہوں (موطا امام مالک ص: ۷۹)، اور ظاہر یہی ہے کہ ان کا یہ عمل اتباع رسول ہی کی وجہ سے ہوگا، اور جو دیگر احادیث میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد بطور دعاء سورہ فاتحہ پڑھنا ہے اور احناف اس کے قائل ہیں، چنانچہ علماء حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ اگر بڑیت دعاء سورہ فاتحہ پڑھ لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں (المحرر الرائق: ۱۹۷/۲) اور بہت سے صحابہ و تابعین کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے، ابن وہبؒ بہت سے حضرات اہل علم سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عمر، فضالہ بن عبید، ابو ہریرہ، جابر بن عبداللہ، واصلہ بن الاسقع، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، ابن المسیب، ربیعہ، عطاء بن ابی رباح، یحییٰ بن سعید، نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے اور امام مالک نے فرمایا کہ ہمارے شہر (مدینہ) میں بھی اس کا رواج نہیں ہے۔ (المدونۃ الکبریٰ: ۱/۵۸ و ۱۵۹)

پھر دوسری تکبیر کہکر درود شریف پڑھا جائے جیسے کہ نماز میں پڑھا جاتا ہے۔^(۱)
پھر تیسری تکبیر کہ کر میت کے لیے دعاء کریں، اگر میت بالغ مرد یا عورت ہے تو یہ دعاء پڑھیں:

﴿اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَاعْفُ عَنْهُ وَآكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبُرْدِ وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنْقَى الثُّرْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ وَأَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهِ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ﴾ (۲)

یاد دعا پڑھی جائے:

﴿اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَنُتَانَا، اللَّهُمَّ مِنْ أَحْيَيْنَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمِنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ﴾ (۳)

(۱) حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیفؓ نے فرمایا کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تو تکبیر کہے پھر سورہ فاتحہ پڑھے پھر (تکبیر کہکر) نبی ﷺ پر درود پڑھے پھر (تکبیر کہکر) میت کے لیے خالص دعاء کرے الخ۔ اخرجہ ابن الجارود فی المستقی: ۵۴۰، و عبد الرزاق: ۶۴۲۸، والبیہقی فی السنن: ۷۰۶۱، والحاکم فی المستدرک: ۱/ ۳۶۰، اور حضرت عبادہ بن صامتؓ سے بھی ایسا ہی آیا ہے (المستقی: ۷۰۶۲)، اور حضرت ابوہریرہؓ کا عمل اس سے اوپر والے حاشیہ میں گذر چکا ہے۔

(۲) مسلم: ۱۶۰۰، نسائی: ۱۹۰۷، ابن ماجہ: ۱۴۸۹، احمد: ۲۲۸۵، ترمذی مختصر: ۹۴۶، ابن ابی شیبہ: ۱۷۶۳، ترمذی: ۹۴۵، ابن ابی شیبہ: ۱۷۷۳، نیز اس کو احمد: ۱۶۸۸۵، نسائی: ۱۹۶، ابن الجارود: ۵۴۱ نے پہلے جملہ تک روایت کیا ہے۔

اور میت اگر نابالغ ہو تو لڑکے کے لیے یہ دعاء پڑھیں:

﴿اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَاجْعَلْهُ لَنَا أَجْرًا وَذُخْرًا وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَ مُشَفَّعًا﴾

اور نابالغ لڑکی ہو تو اسی دعاء کو اس طرح پڑھیں:

﴿اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطًا وَاجْعَلْهَا لَنَا أَجْرًا وَذُخْرًا وَاجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَ مُشَفَّعَةً﴾ (۱)

پھر چوتھی تکبیر کہہ کر دونوں طرف سلام پھیر دیں۔ (۲)

(۱) امام بخاریؒ نے حضرت حسن بصریؒ سے تعلیقاً روایت کیا ہے کہ وہ بچہ پر یہ دعاء پڑھتے تھے: ﴿اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَ فَرَطًا وَ اجْرًا﴾ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا کہ اس اثر کو عبد الوہاب بن عطاء نے اپنی کتاب الجنائز میں موصولاً روایت کیا ہے (فتح الباری: ۲۰۳/۳) اور حافظ بنی نے انھیں الکبیر میں جامع سفیانؒ کے حوالہ سے بھی اس کو نقل کیا ہے، نیز بیہقی کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہؓ کا عمل نقل کیا ہے کہ وہ بچہ پر یہ دعاء پڑھتے تھے: ﴿اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَ سَلَفًا وَ اجْرًا﴾ (التلخیص الحجیر: ۱۲۳/۲) اس دعاء کے علاوہ حضرت ابوہریرہؓ سے ایک دوسری دعاء بھی بچہ کے لیے منقول ہے اور وہ یہ ہے: ﴿اللَّهُمَّ اَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ﴾ (مؤطا امام مالک: ۲۸۰) غرض یہ کہ اس سلسلہ میں گنجائش ہے کہ جو دعاء چاہے پڑھے۔

(۲) حضرت ابراہیم اہجرؒ می کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؒ نے ان کی لڑکی کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں پھر چوتھی تکبیر کے بعد کچھ دیر ٹھہر گئے حتیٰ کہ ہم نے یہ سمجھ لیا کہ وہ پانچویں تکبیر کہیں گے، پھر انہوں نے اپنی داہنی اور بائیں طرف سلام پھیر دیا، جب وہ مڑے تو ہم نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جو کرتے دیکھا ہے اس سے کچھ زیادہ نہیں کیا ہے۔ (سنن الترمذی: ۷۰۸۷) امام نوویؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (الاذکار: ۱۷۱) اور حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھے، پھر تین تکبیریں کہے اور چوتھی تکبیر پر سلام پھیر دے۔ (نسائی: ۱۹۶۳) یاد رہے کہ روایات میں اس سلسلہ میں اختلاف ملتا ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد کچھ پڑھنا ہے یا نہیں اور سلام ایک طرف پھیرنا ہے یا دونوں طرف؟ اور جو مذکور ہوا وہ احناف کا مسلک ہے۔

یہ ہے نماز جنازہ کا مکمل طریقہ۔

✽ نماز جنازہ کے چند اہم مسائل:

نماز جنازہ کے چند اہم مسائل یہاں لکھے جاتے ہیں:

☆ مستحب ہے کہ کم از کم تین شخص بنائی جائیں، اگر لوگ زیادہ ہوں تو پانچ یا سات یا اس سے زیادہ بھی بنائی جاسکتی ہیں، البتہ طاق عدد ہونا مستحب ہے۔ اس بارے میں حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

☆ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔^(۱)

فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر بعض لوگ اس کو ادا کر دیں گے تو دوسروں سے ساقط ہو جاتا ہے۔

☆ عام نمازوں میں جو شرائط ہیں وہ اس نماز کے لیے بھی ضروری ہیں جیسے نیت کرنا، قبلہ رخ ہونا، ستر کا چھپانا، جگہ کا پاک ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، بدن کا پاک ہونا، مگر اس میں وقت کی شرط نہیں ہے۔^(۲)

☆ نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ میت مسلمان ہو، کافر کی نماز جنازہ صحیح نہیں۔

میت کو غسل دیکر پاک کر دیا گیا ہو کفن پاک ہو بدن پاک ہو نماز کے لیے جس جگہ میت رکھی گئی ہو وہ جگہ پاک ہو میت کا ستر چھپا ہوا ہو۔^(۳)

☆ جن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے ان سے نماز جنازہ بھی ٹوٹ جاتی ہے۔^(۴)

☆ سورج کے طلوع ہونے، غروب ہونے، اور زوال کے وقت نماز جنازہ مکروہ ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان تین اوقات میں نماز پڑھنے سے اور

(۱) الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۱/۵۱۶، شرح المہذب: ۱/۶۹، فتح القدیر: ۲/۱۴۰، شامی: ۲/۲۰۷

(۲) در مختار مع شامی: ۲/۲۰۷، (۳) البحر الرائق: ۲/۱۸۰

مردوں کو دفن کرنے سے منع کیا ہے۔ (۱)

☆ جو بچہ مر کر پیدا ہو، اس پر نماز جنازہ نہیں ہے اور جو پیدا ہو کر مر جائے اس پر نماز پڑھی جائے گی۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بچہ پر نماز نہیں پڑھی جائے گی اور نہ وہ کسی کا وارث ہوگا اور نہ کوئی دوسرا اس کا وارث ہوگا جب تک کہ وہ آواز نہ کرے۔ (۲)

☆ اگر ایک ہی وقت میں کئی جنازے آجائیں تو بہتر یہ ہے کہ سب پر الگ الگ نماز پڑھی جائے اور اگر ایک ہی نماز سب کے لیے پڑھنا چاہیں تو بھی جائز ہے، اور اس صورت میں دو طرح جنازوں کی ترتیب ہو سکتی ہے:

ایک یہ کہ ایک جنازے کے آگے دوسرا رکھا جائے اس طرح کہ ایک کے سر کے پاس دوسرے کا پیر ہو۔

اور اس صورت میں ان میں سے جو سب سے افضل آدمی ہو اس کے پاس کھڑے ہو کر امام نماز پڑھائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک جنازے کے سامنے دوسرا رکھا جائے جیسے اس شکل میں ہے۔ یہ صورت پہلی صورت سے بہتر ہے۔ اس صورت میں جنازوں کی ترتیب اس طرح ہونی چاہئے کہ امام سے قریب مرد کا جنازہ پھر بچے کا پھر عورت کا ہو۔ (۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ نو جنازوں کو اس ترتیب سے رکھا کہ امام سے قریب مردوں کے جنازے اور قبلہ سے قریب عورتوں کے جنازے تھے، سب کو ایک

(۱) مسلم: ۱۳۷۳، ابوداؤد: ۷۷۷، نسائی: ۷۵۵، ترمذی: ۹۵۱، ابن ماجہ: ۱۱۵۰۸، احمد: ۱۶۷۳۸،
دارمی: ۱۳۹۶ (۲) ترمذی: ۹۵۳، ابن ماجہ: ۱۳۹۷، دارمی: ۲۹۹۷، طحاوی: ۲۳۵/۱، حاکم:
۳۶۳/۱، موارد الطمان: ۱۲۲۳ (۳) در مختار مع شامی: ۲/۲۱۹، المسوطل لسنن حسی: ۲/۲۵۲

صف بنا دیا۔ (۱)

اور حضرت ابن عمرؓ ہی نے حضرت ام کلثوم بنت علیؓ اور ان کے لڑکے کے جنازے کو بھی ایک صف میں رکھا اور لڑکے کو امام سے قریب رکھا اور نماز پڑھائی، اس پر حضرت عمار مولیٰ حارث بن نوفلؓ نے انکار کیا اور اس وقت حضرت ابن عباسؓ حضرت ابوسعیدؓ حضرت ابوقادہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ بھی وہاں موجود تھے ان سب حضرات نے فرمایا کہ یہی سنت ہے۔ (۲)

☆ ولی کی اجازت کے بغیر کسی ایسے آدمی نے نماز پڑھا دی جس کو حق نہیں تو ولی دوبارہ نماز پڑھ سکتا ہے، جبکہ اس نے نماز نہ پڑھی ہو اور اگر نماز پڑھ لیا ہو یا کسی کو خود اجازت دیا ہو یا ایسے آدمی نے نماز پڑھائی ہو جس کو اس کی اجازت کے بغیر پڑھانے کا حق ہے جیسے محلہ کا امام یا شہر کا قاضی تو پھر دوبارہ پڑھنے کا حق نہ ہوگا۔ (۳)

☆ اگر نماز پڑھے بغیر کسی کو دفن کر دیا گیا تو جب تک کہ یہ یقین ہو کہ میت بھٹی نہیں ہے تو اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے جو تازہ تھی اور پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے تو صحابہؓ نے بتایا کہ فلان کی ہے تو آپؐ نے قبر پر نماز پڑھی اور صحابہؓ نے آپ کے پیچھے اقتداء کی۔ (۴)

☆ اگر نماز جنازہ شروع ہونے کے بعد کوئی آئے تو انتظار کرے کہ امام تکبیر کہے، جب وہ تکبیر کہے تو اس کے ساتھ تکبیر کہہ کر شامل ہو جائے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد چھوٹی ہوئی تکبیروں کو قضا کر لے اور اگر میت کو اٹھا لیا جائے تو ان تکبیروں میں دعاء نہ پڑھے۔ (۵)

(۱) بیہقی: ۷۰۱۹، نیز حضرت ابوہریرہؓ، حضرت علیؓ، حضرت واثلہ بن الاسقع سے بھی یہی طریقہ مروی ہے (دیکھو: ابن ابی شیبہ: ۱۹۸۳/۱۹۶، بیہقی: ۳۵۵۳/۵) (۲) ابوداؤد: ۲۷۷۸، نسائی: ۱۹۵۱، بیہقی: ۷۰۲۰، (۳) البحر الرائق: ۱۸۱/۲، در مختار: مع شامی: ۲۲۲/۲ (۴) بخاری: ۱۱۷۰، مسلم: ۱۵۸۲، نسائی: ۱۹۹۷، ابوداؤد: ۲۷۸۱، ابن ماجہ: ۱۵۱۹، احمد: ۲۹۶۸ (۵) المصنوع للسرخسی: ۶۶۲/۲، البحر الرائق: ۱۸۵/۲، در مختار: مع شامی: ۲۱۷۲/۲

✽ نمازِ جنازہ میں شریعت کی خلاف ورزیاں:

نمازِ جنازہ میں جو امور محض رسم و رواج یا جہالت کی بنا پر کئے جاتے ہیں، وہ بہت سی ہیں مثلاً:

✽ تکبیرات پر گردن اٹھانا:

تکبیر کہتے وقت بعض لوگ آسمان کی طرف گردن اٹھاتے ہیں، یہ محض بے اصل بات ہے، بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھانا ممنوع ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یا تو یہ لوگ جو نماز میں دعاء کے وقت اپنی آنکھوں کو آسمان کی جانب اٹھاتے ہیں، باز آجائیں یا ان کی آنکھیں اُچک لی جائیں گی۔ (۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں اپنی آنکھوں کو آسمان کی طرف نہ اٹھاؤ کہ کہیں آنکھیں اُچک نہ لی جائیں۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں اوپر کی طرف نظر اٹھانا ناجائز ہے اور اس پر وعید ہے اور نمازِ جنازہ بھی ایک طور پر نماز ہے، لہذا اس میں بھی اس کی اجازت نہ ہوگی، اور گردن اٹھانا تقریباً نظر اٹھانے کے برابر ہے، مگر بعض لوگ ہر تکبیر پر یہ حرکت کرتے ہیں جو بے اصل اور ممنوع ہے۔

✽ صفوں میں سجدے کے لیے جگہ چھوڑنا:

نمازِ جنازہ میں نہ رکوع ہوتا ہے نہ سجدہ، یہ سب کو معلوم ہے۔ مگر بعض جگہ نمازِ جنازہ کے وقت صفوں کے درمیان سجدہ کرنے کے برابر جگہ چھوڑتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ایک

(۱) بخاری: ۷۰۸، مسلم: ۶۵۰، نسائی: ۱۱۸۰، ابوداؤد: ۷۷۹، ابن ماجہ: ۱۰۳۳، احمد: ۱۱۶۲۲،

دارمی: ۱۲۲۹، (۲) نسائی: ۱۱۸۱، احمد: ۱۵۰۹۸

بے اصل اور فضول کام ہے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ نے فتاویٰ دارالعلوم میں اس کو بے اصل و بے ضرورت قرار دیا ہے۔^(۱)

✽ نماز جنازہ کے بعد دعاء و فاتحہ:

نماز جنازہ کے بعد جنازہ کو تدفین کے لیے لیکر چلنا چاہئے، اس لیے نماز کے بعد جو بعض جگہ لوگ لمبی لمبی دعائیں اور اس میں فاتحہ مروجہ پڑھتے ہیں، یہ صحیح نہیں بلکہ حضرات فقہاء کرام نے بصراحت نماز جنازہ کے بعد دعاء کو مکروہ قرار دیا ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ نے بحوالہ خلاصہ فرمایا ہے کہ لا یدعو بعد التسليم “ کہ (نماز جنازہ میں) سلام پھیرنے کے بعد دعاء نہ کرے۔^(۲)

ملا علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ [ولا یدعو للمیت بعد صلوٰۃ الجنائزۃ لانه يشبه الزیادة فی صلوٰۃ الجنائزۃ]^(۳)
(یعنی نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعاء نہ کی جائے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں اضافہ کے مشابہ ہے)

اور فقہ حنفی کی مستند کتاب محیط میں دعاء بعد الجنائزہ کو مکروہ لکھا ہے۔^(۴)
اسی طرح دوسری کتب فقہ میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء کا رواج ایک بدعت اور دین میں اضافہ کی طرح ہے۔ اور اس میں فاتحہ مروجہ کا اضافہ ”کریلا اور نیم چڑھا“ کا مصداق ہے کیونکہ فاتحہ مروجہ کا بھی کوئی شرعی ثبوت نہیں ہے اور یہ بھی ”ایجادِ یاران“ کی قبیل سے ہے جس کا کوئی جواز نہیں ہے۔^(۵)

(۱) فتاویٰ دارالعلوم: ۲۸۹/۵، (۲) البحر الرائق: ۱۸۳/۱، (۳) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ۶۴۴/۴
(۴) بحوالہ راہ سنت، ص: ۲۰۶، از مولانا سرفراز احمد خان صاحب زید مجدہم (۵) اس سلسلہ میں اکابر علماء کے فتاویٰ ایک مختصر رسالہ میں ”جمعیت بید اہل سنت والجماعت“ محلہ بیدواڑی بنگلور کی طرف سے شائع کئے گئے تھے اس میں اس مسئلہ کی تحقیق دیکھی جاسکتی ہے۔

یہ کہنا کہ ہم اللہ کا کلام ہی تو پڑھ رہے ہیں یا یہ کہ اللہ سے دعاء ہی تو کر رہے ہیں، اس میں کیا خرابی ہے؟ یہ کوئی شرعی انداز فکر نہیں ہے۔ دیکھئے عبادات کے سلسلہ میں اپنی طرف سے کوئی بات تجویز کرنا اسلام میں جائز نہیں، ایسی باتوں کو بدعت اور دین میں اضافہ کہتے ہیں۔ پھر غور کیجئے کہ اگر نماز جنازہ کے بعد دعاء اور فاتحہ کوئی ثواب کی بات ہوتی تو بڑے بڑے فقہاء اس سے کیوں منع کرتے؟ کیا ان حضرات کو ثواب کی حرص نہ تھی؟ کیا وہ حضرات اچھی اور ثواب کی باتوں سے منع کر دیتے؟ معلوم ہوا کہ ان باتوں کا شریعت میں کوئی جواز نہ تھا اسی لیے ان حضرات نے ان سے منع کیا ہے اور وہ حضرات دین کو ہم سے زیادہ سمجھتے تھے اور دین پر چلنے کا ہم سے زیادہ اہتمام کرتے تھے اور سارا دین اور اس کی ساری جزئیات ان کی نگاہ میں تھیں، اگر انہوں نے اس سے منع کیا ہے تو ہم کو اس سے احتراز واجباً ضروری ہے۔

﴿نماز جنازہ میں لوگوں کا انتظار:﴾

عام طور پر لوگ جماعت کی کثرت کے خیال سے نماز جنازہ میں تاخیر کرتے ہیں اور لوگوں کا انتظار کرتے ہیں، اسی طرح جمعہ کی رات میں بلکہ جمعرات کے دن مرنے والے کی نماز جنازہ جمعہ میں پڑھتے ہیں تاکہ زیادہ لوگ شرکت کریں مگر یہ رسم غلط اور احکام شرعیہ کے خلاف ہے، کیونکہ حکم یہ ہے کہ جلدی سے جلدی میت کو اس کی منزل تک پہنچا دیا جائے جیسا کہ اوپر حدیث نقل کر چکا ہوں۔ درمختار میں ہے کہ نماز جنازہ اور تدفین میں اس لیے تاخیر کرنا کہ جمعہ کے بعد ایک عظیم مجمع نماز جنازہ پڑھے، مکروہ ہے۔ (۱)

حضرت مرشدی مولانا شاہ ابراہیم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

”اس مسئلہ کی فقہاء نے تصریح فرمادی ہے کہ اگر جمعہ سے قبل تدفین ممکن ہے

تو جمعہ کا انتظار جائز نہیں۔ تھوڑے آدمی سنت اور رضائے حق کے مطابق نجات و مغفرت کے لیے کافی ہیں، برعکس کثیر تعداد کے جو خلاف سنت اور خلاف رضائے حق ہو، یہ کچھ مفید نہیں۔^(۱)

✽ مسجد میں نماز جنازہ:

مسجد کے اندر جنازہ لیجانا اور نماز جنازہ پڑھنا، علماء حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک ناجائز اور مکروہ ہے اگرچہ امام شافعیؒ و امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک میں یہ جائز ہے۔ مگر ہمارے ان علاقوں میں احناف کی مساجد میں بھی یہی رواج پڑا ہوا ہے کہ جنازہ مساجد میں لا کر نماز پڑھتے ہیں۔ حالانکہ علماء احناف کا مسلک احادیث کی روشنی میں صحیح ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہؓ نے ان کے جنازہ کو مسجد میں لیجانے کو کہا، اس پر لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ:

﴿مَا كَانَتِ الْجَنَازُ يَدْخُلُ بِهَا الْمَسْجِدُ﴾^(۲)

(یعنی جنازے مسجد میں داخل نہیں کئے جاتے تھے)

اور بیہقی کی ایک روایت میں یہ اعتراض ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

﴿هَذِهِ بَدْعَةٌ، مَا كَانَتِ الْجَنَازَةُ تَدْخُلُ الْمَسْجِدَ﴾^(۳)

نیز احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بھی مسجد سے قریب مگر مسجد سے الگ جنازوں کے لیے ایک جگہ نبی ہوئی تھی، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک یہودی مرد و عورت کو زنا کی سزا میں حضرت نبی کریم ﷺ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ دونوں رجم کئے گئے مسجد کے پاس جنازوں کی جگہ کے قریب۔^(۴)

(۱) مجلس ابرار ۱/۸۸ (۲) مسلم: ۱۶۱۶، یہ اعتراض والی بات امام احمد نے اپنی مسند: ۲۳۳۵۸، اور امام مالک نے موطا: ۴۸۴، اور بیہقی نے سنن الکبریٰ: ۳۹۴/۵، میں بھی روایت کی ہے۔

(۳) بیہقی: ۷۱۳۳، (۴) بخاری: ۱۲۴۳

اور یہی واقعہ داری میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے:

فَرُجِمَا قَرِيبَا مِنْ حَيْثُ تَوْضَعُ الْجَنَائِزُ عِنْدَ الْمَسْجِدِ (۱)

اور اس کا حاصل بھی وہی ہے، غرض یہ کہ آپ ﷺ کے زمانے میں جنازوں کے لیے الگ ایک جگہ ہوتی تھی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿مَنْ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا شَيْءَ لَهُ﴾ (۲)

(یعنی جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے اس کے لیے کچھ اجر نہیں)

معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ و ناجائز ہے۔ رہا حضرت عائشہؓ کا عمل، پھر صحابہ و تابعین کے اعتراض پر ان کا یہ جواب دینا کہ حضور ﷺ نے حضرت سہیل بن بیضاء کا جنازہ مسجد ہی میں پڑھا تھا، تو یہ حجت نہیں کیونکہ کسی ضرورت کی بنا پر حضرت نبی کریم ﷺ نے ایسا کیا ہوگا۔ اور ضرورت پر احتیاف کی یہاں بھی مسجد میں جنازہ لیجانے کی اجازت ہے، مثلاً بارش ہو جس سے باہر نماز نہ پڑھ سکتے ہوں۔ (۳)

اور حضرت نبی کریم ﷺ کے بارے میں ہے کہ آپ اس وقت اعتکاف میں

(۱) داری: ۲۲۸۱ (۲) طحاوی: ۲۳۷/۱، ابوداؤد: ۲۷۷۹، ابن ماجہ: ۱۵۰۶، احمد: ۹۳۵۳۰، قال الراقم: و هذا الحديث مداره على ابن ابي ذئب مولى التوأمة عن ابي هريرة و قد ضعف بعض المحدثين لهذا الحديث لانه تفرد به صالح و هو ضعيف، قال الرقيم: ان صالحا مختلف فيه وقد وثقه العجلي و ابن معين في رواية وقال احمد: صالح الحديث، لا اعلم به بأسا (كما في التهذيب: ۳/ ۴۰۶) والعلة فيه الاختلاط ورواية القدماء عنه مقبولة و هذا الحديث روى عنه ابن ابي ذئب و هو من اصحابه القدماء كما في التهذيب ايضا، فالحديث محتج به و مقبول و قد حسنه العلامة ابن القيم في (زاد المعاد: ۱/ ۳۹۸)، فثبت ان دليل الحنفية ثابت و قوي (و الله اعلم) (۳) شامی: ۲/ ۲۲۶،

تھے اس لیے مسجد میں جنازہ لایا گیا۔^(۱)

غرض یہ کہ بلا عذر مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ مگر افسوس کہ آج اکثر احناف کی مساجد میں اس مکروہ کو اختیار کر لیا گیا ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے پاس جائز ہے اس لیے ہم اس کو لیتے ہیں مگر یہ بات کس قدر غلط ہے کہ بلا دلیل و وجہ اپنے امام کے مسلک کو ترک کر کے دوسرے امام کے مسلک کو لیا جائے؟ پھر کیا ان لوگوں نے دلیل جان کر اور امام شافعیؒ کی دلیل کو مضبوط پا کر اپنے امام کا مسلک ترک کیا ہے؟

جنازہ اٹھانے کے احکام

✽ جنازہ میں شرکت کا ثواب:

جنازہ میں شرکت کرنا موجب ثواب ہے، حدیث میں ہے کہ جو جنازہ کے ساتھ اس کے گھر سے نکلے، پھر اس پر نماز پڑھے، پھر اس کے ساتھ جائے، حتیٰ کہ تدفین ہو جائے تو اس کو دو قیراط ثواب ملے گا، اور ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ اور جو نماز پڑھ کر واپس ہو جائے تو اس کو ایک اُحد پہاڑ کے برابر ثواب ملے گا۔^(۲) اس لیے کوشش کرنا چاہئے کہ جنازہ میں شرکت کی جائے۔

✽ جنازہ اٹھانے کا طریقہ:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جو جنازہ کے پیچھے چلے اس کو چاہئے کہ وہ اس کے تمام جانبوں کو اٹھائے کیونکہ یہ سنت ہے، پھر اگر چاہے تو مزید اٹھائے، اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔^(۳)

اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے جنازے کے چاروں

(۱) حاشیہ مشکوٰۃ: ص: ۱۲۵ (۲) بخاری: ۴۵، مسلم: ۱۵۷، ولفظ آخر ترمذی: ۹۶۱، نسائی: ۴۹۴۶،

ابوداؤد: ۲۷۵۵، ابن ماجہ: ۱۵۲۸، احمد: ۹۵۲۴۰ (۳) ابن ماجہ: ۱۴۶۷

جانبوں کو (یکے بعد دیگرے) اٹھایا۔ (۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے جنازہ کے چاروں پایوں کو اٹھایا اس نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔ (۲)

ان روایات کی بنا پر ہمارے علماء نے فرمایا کہ جنازہ کو چار آدمی چاروں طرف سے اٹھائیں، اور اس کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ پہلے جنازہ کے سامنے کا پایہ اپنے دائیں کندھے پر رکھ کر کم از کم دس قدم چلے، پھر جنازہ کے پیچھے کا پایہ اپنے کندھے پر رکھ کر (کم از کم) دس قدم چلے، پھر جنازہ کا سامنے کا پایہ اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے، پھر اس کے پیچھے کا پایہ اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے۔ (۳)

یہ طریقہ بڑے جنازہ کے لیے ہے، اور اگر جنازہ بچہ کا ہو، جس کو ہاتھوں میں اٹھایا جاسکتا ہو تو اس کو ایک آدمی اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھالے، پھر دوسرا اسے اسی طرح لے لے، اور اسی طرح ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ بدلتے ہوئے اس کو لیجائیں۔ (۴)

✽ چند مسائل:

(۱) جنازہ لے کر چلنے میں درمیانی چال اختیار کریں کہ نہ بہت آہستہ چلیں اور نہ بہت تیز، جس سے میت کو چھٹکے لگیں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ جنازہ میں جلدی کرو، کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو وہ خیر ہے جس کی طرف تم اس کو لیجاؤ گے اور اگر برا ہے تو وہ شر ہے جس کو تم اپنے کندھوں سے اُتارو گے۔ (۵)

اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ لیکر چلنے میں جلدی کرنا چاہئے مگر بہت جلدی و

(۱) رواہ عبد الرزاق: ۶۵۲۰ وابن ابی شیبہ: ۳/۱۶۸ (۲) رواہ عبد الرزاق: ۶۵۱۸ (۳) در مختار مع شامی: ۲/۲۳۱، بدائع الصنائع: ۳۰۹/۱، تحفۃ الفقہاء: ۲/۲۴۴، مراقی الفلاح: ۱۴۷ (۴) البحر الرائق: ۲/۱۹۱، در مختار مع شامی: ۲/۲۳۱، بدائع الصنائع: ۳۰۹/۱، وغیرہ (۵) اس حدیث کی تخریج وحوالہ ص: ۳۲۴ پر مفصلاً گزرا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔

تیزی نہیں، کیونکہ ایک اور حدیث میں ہے کہ بعض لوگ بہت تیزی سے ایک جنازہ لیکر جا رہے تھے جس کی وجہ سے میت کو بہت حرکت ہو رہی تھی، اللہ کے رسول ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ جنازوں میں تم پر درمیانی چال لازم ہے۔^(۱)

نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ جنازہ کو لیکر کس طرح چلا جائے؟ آپ نے فرمایا کہ ”دون الخجب“ (یعنی دوڑنے سے کم ہو)۔^(۲)

(۲) جنازہ کے ساتھ عورت کا جانا منع ہے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم کو یعنی عورتوں کو جنازوں کے ساتھ جانے سے منع کیا جاتا تھا۔^(۳)

(۳) جنازہ کو کندھے پر سامان کی طرح لا کر نہ لے جانا چاہئے، بلکہ اکرام و اعزاز کے ساتھ ہاتھوں سے پکڑ کر کندھے پر رکھنا چاہئے۔^(۴)

✽ جنازہ کے ساتھ منکرات:

جنازہ کے ساتھ بھی بعض غیر شرعی رواجات و رسومات کو عوام میں چلن حاصل ہو گیا ہے جن کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔

✽ عورت کے جنازہ پر سرخ چادر:

جنازے پر کوئی چادر پردے کے لیے ڈال دینا اچھا ہے، اور اس میں کسی خاص قسم یا رنگ کی کوئی تخصیص نہیں ہے، مگر عام طور پر ایک رواج چل گیا ہے کہ عورت اور خاص طور پر نئی نویلی دہن کے مرجانے پر اس کے جنازے پر سرخ چادر ڈالتے ہیں یہ شرعاً بے اصل اور غلط رواج ہے۔

(۱) احمد: ۱۸۸۶۳، ابن ماجہ: ۱۴۶۸ (۲) ترمذی: ۹۳۲، ابوداؤد: ۲۷۶۹، احمد: ۳۵۴۷

(۳) بخاری: ۳۰۲، مسلم: ۱۵۵۵، ابوداؤد: ۳۷۵۳، ابن ماجہ: ۱۵۶۶، احمد: ۲۶۰۳ (۴) المعجم

الرائق: ۱۹۱۲، در مختار مع شامی: ۲۳۱/۲

چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:
 بعض جگہ یہ غلط رواج ہے کہ نو جوان لڑکی یا ننی دلہن مرجاتی ہے تو اس کے
 جنازے پر سرخ چادر یا زری گوٹہ کا ڈوپٹہ ڈالتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔ (۱)
 ❁ جنازے پر پھولوں کی چادر:

جنازے پر پھولوں کی چادر ڈالنے کا بھی عام رواج ہے اور اس کو بعض لوگ
 میت کا حق یا اس کے ساتھ ہمدردی خیال کرتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ پھول
 چونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اس لیے ان کو میت پر ڈالنے سے ذکر کی برکت سے
 عذاب میں تخفیف اور ثواب میں اضافہ ہوتا ہے مگر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ صحابہ،
 تابعین، و تبع تابعین، اولیاء اللہ و ائمہٗ اسلاف نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ کیا وہاں
 پھول نہ تھے یا ان کی چادر نہ بن سکتی تھی یا وہ میت کی ہمدردی و غم خواری کے جذبات
 نیک سے خالی تھے؟ یا یہ کہ ان حضرات کو پھولوں کا ذکر کرنا معلوم نہ تھا؟

آخر کیا بات تھی کہ انہوں نے نہ یہ بات سوچی اور نہ ایسا کام کیا؟

ظاہر ہے کہ اگر یہ کام ثواب کا ہوتا یا اس میں کوئی بھی فائدہ ہوتا، تو یہ حضرات
 ضرور اسکو کرتے اور ان کا عمل نقل ہو کر ہم تک پہنچتا۔ لیکن جب ان حضرات نے نہیں
 کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کام ثواب کا نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی فائدہ ہے، اس لیے یہ
 ایک بدعت ہے۔ بعض لوگ اس بدعی کام کے لیے ایک حدیث سے دلیل پکڑتے
 ہیں، وہ یہ کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے دو قبروں پر درخت کی ایک شاخ کو دو حصوں
 میں کر کے لگایا اور فرمایا کہ یہ شاخ جب تک تازہ رہے گی ان دو قبر والوں پر عذاب
 میں کمی ہوگی۔ اس حدیث پر کلام اور اس کی تشریح آگے چل کر عنوان ”قبروں پر
 پھولوں کی چادر“ کے تحت آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور وہیں یہ معلوم ہوگا کہ اس

حدیث سے ان لوگوں کا یہ استدلال کس قدر کمزور اور لالچنی ہے۔ غرض یہ کہ یہ سب فضول کام ہیں ان سے بچنا چاہئے اور اصل چیز جو میت کے لیے مفید ہے یعنی ایصالِ ثواب کی نیت سے خیرات و صدقات اور ذکر و تلاوت وغیرہ ان میں مشغول ہونا چاہئے۔

✽ جنازے کے ساتھ ذکرِ جہری:

جنازے کے ساتھ اللہ کا ذکر آہستہ آہستہ کرتے ہوئے یا موت کے احوال پر غور کرتے ہوئے چلنا چاہئے مگر زور سے ذکر، دعاء، تلاوت مکروہ ہے۔^(۱)

کیونکہ اس موقع پر زور سے ذکر و تلاوت کو صحابہ و اسلاف نے بلکہ خود حضرت نبی کریم ﷺ نے ناپسند کیا ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین موقعوں پر خاموش رہنے کو پسند کرتا ہے، تلاوتِ قرآن، جنگ اور جنازہ کے وقت۔^(۲)

حضرت قیس بن عبادؓ جو اکابر تابعین میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضراتِ صحابہ تین جگہ آواز بلند کرنے کو مکروہ خیال کرتے تھے، ایک جنازہ کے ساتھ، دوسرے جنگ میں، تیسرے ذکر یعنی وعظ کے وقت۔^(۳)

حضرت قیسؓ ہی سے منقول ہے کہ حضراتِ صحابہ جنازے، ذکر اور جنگ کے وقت آواز پست رکھنے کو پسند کرتے تھے۔^(۴)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

”جنازے کے ساتھ آواز بلند کرنا پسندیدہ نہیں، نہ ذکر سے نہ تلاوت سے اور نہ کسی اور چیز سے، یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے اور یہی حضراتِ سلف، صحابہ و تابعین

(۱) الاذکار للنووی: ۱۷۱، بدائع الصنائع: ۳۱/۱ (۲) تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۱۹، (۳) بحوالہ البحر

الرائق: ۷۶/۵ (۴) ابن ابی شیبہ: ۱۶۰/۳

سے مروی و منقول ہے، میں اس میں کسی کا اختلاف نہیں پاتا۔^(۱)

جنازے کے ساتھ زور سے ذکر و تلاوت کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے۔^(۲)

بلکہ حضرت ابراہیم النخعیؒ سے مروی ہے کہ وہ اس بات کو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں کہ کوئی شخص جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے کسی سے یوں کہے کہ میت کے لیے استغفار کرو کہ اللہ تمہاری مغفرت کرے گا، وہ فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے، اسی طرح حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت عطاء وغیہ سے بھی آیا ہے۔^(۳)

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ بعض بعض جگہ خصوصاً دیہاتوں میں جو جنازے کے ساتھ زور سے ذکر و تلاوت کرتے ہیں، یہ مکروہ ہے۔ جب یہی مکروہ ہے تو اشعار و قصائد و مرثیہ نامہ پڑھنے کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے؟

❁ سواری پر جنازہ:

بہت سے لوگ غیر قوموں کی تقلید میں جنازے کو سواری پر لیجاتے ہیں، اور اس کو فخر محسوس کرتے ہیں اور اس کیلئے مستقل آبولینس بھی ملتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ بلا ضرورت جنازے کو سواری پر لے جانا مکروہ ہے۔ چنانچہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے۔^(۴)

لہذا اس سے پرہیز کرنا چاہئے، پھر اس میں غیر قوموں سے مشابہت بھی پائی جاتی ہے، چنانچہ عیسائی اور ہندو قوموں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اپنے مردوں کو سواری پر لے جاتے ہیں اور غیر قوموں سے مشابہت بھی اسلام میں ناجائز ہے۔ البتہ کوئی عذر ہو تو سواری پر لے جانے کی اجازت ہے، مثلاً اٹھانے والے ایک دو ہی آدمی ہوں یا

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۴/۲۹۴، (۲) در مختار مع شامی: ۲/۲۳۳، عالمگیری: ۱/۲۱۱، المسبوط للسرحدی: ۲/۳ (۳) کتاب الآثار لابن یوسف: ۶۶، ابن ابی شیبہ: ۳/۱۵۹ (۴) تحفۃ الفقہاء:

۱/۲۴۴، البحر الرائق: ۲/۱۹۱، در مختار مع شامی: ۲/۲۳۱

قبرستان اتنی دور ہو کہ اٹھا کر لے جانا مشکل ہو تو سواری پر لے جانا مکروہ نہیں ہے۔^(۱)

✽ جنازے کے ساتھ سواری پر جانا:

بعض لوگ جنازے کے ساتھ بھی اپنی سواریوں پر جاتے ہیں، یہ بھی مکروہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ اللہ کے رسول ﷺ ایک جنازے کے ساتھ جا رہے تھے، آپ کے خادموں میں سے کسی نے سواری پیش کی تو آپ نے اس پر سوار ہونے سے انکار کر دیا، پھر جب (تدفین کے بعد) واپس لوٹے تو پھر سواری پیش کی گئی اور اس پر سوار ہو گئے، لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ فرشتے چل رہے تھے لہذا میں سوار نہ ہوا، اور جب وہ چلے گئے تو میں سوار ہو گیا۔^(۲)

اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ جنازے کے ساتھ سواری پر جا رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ کیا تم کو شرم نہیں آتی کہ فرشتے چل کر جا رہے ہیں، اور تم جانوروں کی پشت پر سوار ہو۔^(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت جنازے کے ساتھ سواری پر جانا پسندیدہ نہیں، ہاں کوئی ضرورت ہو مثلاً کوئی بیمار یا بوڑھا ہے یا قبرستان بہت دور ہے تو اس کی اجازت ہے، چنانچہ حدیث میں جو آیا ہے کہ ﴿الراكب خلف الجنازة﴾ سواری جنازے کے پیچھے آئے۔^(۴)

اس کو ہمارے علماء نے عذر پر محمول کیا ہے، ہاں واپسی کے وقت سواری پر آنا بلا کراہت جائز ہے جیسا کہ اوپر حدیث سے معلوم ہوا۔ نیز اللہ کے رسول ﷺ نے، ابن الدحداح رحمہ اللہ کے جنازے سے واپسی پر سواری اختیار فرمائی تھی۔^(۵)

(۱) الطحاوی علی المراتی، ۳۵۲، الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ۱: ۵۳۱ (۲) ابوداؤد، ۶۳: ۲۷ (۳) ترمذی، ۹۳۳، ابن ماجہ، ۱۴۶۹ (۴) ابوداؤد، ۶۶: ۲۷، ترمذی، ۹۵۲، نسائی، ۱۹۱۶، ابن ماجہ، ۱۴۷۰، احمد، ۱۷۴۵۹ (۵) مسلم، ۱۶۰۳، ابوداؤد، ۶۳: ۲۷، ترمذی، ۹۳۳، نسائی، ۱۹۹۹، احمد، ۲۰۰۳۹

تدفین کے احکام:

اس کے بعد اب مرحلہ ہے میت کی تدفین کا، جس کے شرعی احکامات یہاں پر درج کئے جاتے ہیں:

❖ قبر کیسی ہو؟

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جگہ قبر پر قبر کھودنے والے کو حکم فرما رہے تھے کہ پیروں کے پاس وسیع و کشادہ کرو، سر کی جانب وسیع و کشادہ کرو۔^(۱) ایک اور حدیث میں ہے کہ ہشام بن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے غزوہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کو زخم پہنچا ہے، ہر انسان کے لیے قبر کھودنا مشکل ہے کیا کریں؟ آپ نے فرمایا کہ قبر کھودو اور اس کو کشادہ بناؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کو گہری اور عمدہ بناؤ الخ۔^(۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قبر کشادہ اور گہری ہونا چاہئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ قبر آدھے قد کے برابر گہری ہونا چاہئے اور اس سے زیادہ بھی ہو تو مضائقہ نہیں مگر بہت گہری بنانا اچھا نہیں، اور قبر کی لمبائی میت کے قد کے برابر ہو اور عرض (چوڑائی) میت کے قد سے آدھا ہو۔^(۳)

اور قبر میں سنت یہ ہے کہ بغلی بنائی جائے، حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ﴿الْأَخَذُ لَنَا وَالشَّقُّ لِعِیْرِنَا﴾ یعنی بغلی قبر ہمارا طریقہ ہے اور صندوقی غیروں کا طریقہ ہے۔^(۴)

(۱) رواہ ابوداؤد فی البیوع: ۲۸۹۴، واحمد: ۲۸۹۴، وقال ابن حجر: اسنادہ صحیح، (التلخیص الحبیبر: ۱۲۷/۲)، (۲) ابوداؤد: ۲۸۰۰، ترمذی: ۱۶۳۵، نسائی: ۱۹۸۴، (۳) در مختار مع شامی: ۲۳۴/۲، البحر الرائق: ۱۹۳/۲، (۴) ابوداؤد: ۲۷۹۳، ترمذی: ۱۶۳۵، نسائی: ۱۹۸۴، ابن ماجہ: ۱۵۴۳، احمد:

اور خود اللہ کے رسول ﷺ کے لیے بھی لحد یعنی بغلی قبر بنائی گئی تھی، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے لیے لحد بناؤ اور اینٹ رکھو جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا گیا۔^(۱)

نیز ایک اور حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا تو صحابہؓ میں اس بارے میں اختلاف ہوا کہ آپ کے لیے لحد بنائی جائے یا شق بنائی جائے؟ پھر صحابہ نے یہ تجویز کیا کہ لحد بنانے والے اور شق بنانے والے دونوں کو بلایا جائے اور جوان میں سے پہلے آئے اس کو اس کا کام دیا جائے، چنانچہ پہلے وہ صحابی آئے جو لحد بناتے تھے، لہذا آپ کے لیے لحد بنائی گئی۔^(۲)

بغلی قبر بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ قبر کھود کر قبلہ کی طرف ایک گڑھا کھودا جائے جس میں میت کو رکھا جاسکے، اور اگر زمین بہت نرم ہو کہ بغلی قبر کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہو، تو پھر صندوقی بھی بنا سکتے ہیں، جس کا طریقہ یہ کہ قبر کے اندر زمین کے بیچ میں گڑھا کھودا جائے۔

❁ دفنانے کا طریقہ:

جب قبر تیار ہو جائے تو اس میں میت کو اتارا جائے، اس کا طریقہ یہ کہ جنازہ قبر سے قبلہ کی طرف رکھا جائے، اور اتارنے والے قبلہ رو کھڑے ہو کر میت کو اٹھائیں اور قبر میں اتاریں کیونکہ میت کو قبلہ کی طرف سے اتارنا سنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ بنی کریم رضی اللہ عنہ

(ایک دفعہ) قبر میں اترے اور میت کو قبلہ کی طرف سے پکڑا۔^(۳)

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یزید بن الکسف کو قبلہ کی طرف

(۱) ابن ماجہ: ۱۵۴۵، مسلم: ۱۶۰۶، نسائی: ۱۹۸۰، احمد: ۱۴۰۷ (۲) ابن ماجہ: ۱۵۴۷

(۳) ترمذی: ۹۷۷

سے قبر میں اُتارنا، اسی طرح ابن الحنفیہؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابن عباسؓ کو قبلہ کی طرف سے اُتارنا۔ (۱)

جب قبر میں اُتارے تو اُتارنے والا اور رکھنے والا یہ دعاء پڑھے:

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلَى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ﴾ (۲)

بعض روایات میں ”سنة“ کی جگہ ”ملة“ آیا ہے۔ پھر میت کو داہنی کروٹ پر قبلہ رخ لٹا دیا جائے اور اس کے کفن کی گرہ کھول دی جائے، پھر کچھ اینٹوں سے بند کر دیا جائے جیسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ (یہ حدیث ابھی اوپر گزر چکی ہے) علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے نو (۹) اینٹیں رکھی گئی تھیں۔ (۳)

لہذا نو [۹] اینٹیں رکھنا سنت ہوگا، ضرورت ہو تو زائد بھی رکھی جاسکتی ہیں، مگر پکی اینٹیں رکھنے سے علماء نے منع کیا ہے، اسی طرح بانس کا قبر میں رکھنا درست تو ہے مگر لکڑی کے تختے رکھنا مکروہ ہے۔ (۴)

البتہ زمین بہت نرم ہو جس کی وجہ سے قبر کے بیٹھ جانے کا خوف ہو تو پختہ اینٹ اور لکڑی بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ (۵)

عورت کو قبر میں رکھتے وقت کپڑے وغیرہ سے پردہ کرنا مستحب ہے، مرد کی قبر پر پردہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (۶)

حضرت علیؓ نے حضرت قیسؒ کے جنازہ پر جب کپڑے سے پردہ کیا گیا، تو اس کو بھیچنا اور فرمایا کہ یہ تو عورتوں کے ساتھ میں کیا جاتا ہے۔ (۷)

(۱) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۳۱، (۲) ترمذی: ۹۶۷، ابوداؤد: ۱۲۷۸، ابن ماجہ: ۱۵۳۹، (۳) شرح مسلم للنووی: ۳۱۱/۱، (۴) در مختار مع شامی: ۲/۲۳۶، الجامع الصغیر: ۶۲، (۵) در مختار مع شامی: ۲/۲۳۶، (۶) الجامع الصغیر: ۹۲، الہدایہ: ۱/۱۶۲، (۷) بحوالہ تلخیص الحبیئین: ۲/۱۲۱

نیز حضرت حارث کے جنازے پر جب کپڑے سے پردہ کیا گیا تو حضرت عبداللہ بن زید ؓ نے اس کو کھینچ دیا۔^(۱)

ہاں اگر کوئی عذر ہو جیسے بارش ہو یا برف باری ہو یا سخت گرمی ہو تو مرد کی قبر پر پردہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔^(۲)

اس کے بعد قبر پر مٹی ڈال دی جائے، اس طرح کہ سرہانے کی طرف سے ہر آدمی تین تین مٹھی مٹی قبر میں ڈالے، حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی، پھر قبر پر آئے اور تین مٹھی مٹی سر کی طرف سے ڈالی۔^(۳)

اور مٹی ڈالتے ہوئے پہلی مٹھی پر ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ﴾ دوسری مٹھی پر ﴿وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ﴾ اور تیسری مٹھی پر ﴿وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى﴾ پڑھا جائے۔ پھر بقیہ مٹی قبر پر ڈال دی جائے۔^(۴)

اس دعاء کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضرت ام کلثوم ؓ کے انتقال پر اللہ نے بنی ﷺ نے ان کو قبر میں رکھتے ہوئے یہی پڑھا تھا۔^(۵)

مگر اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ پہلی مٹھی پر یہ اور دوسری پر یہ اور تیسری پر یہ پڑھا تھا، واللہ اعلم۔ رہا حاضرین کا تین مٹھی مٹی ڈالنا، یہ متعدد احادیث میں آیا ہے۔^(۶)

(۱) بیہقی: ۱۷۴/۱، امام بیہقی نے اس کی سند صحیح فرمایا ہے، (۲) شامی: ۲۳۶/۲، اور حضرت سعد بن معاذ کی قبر پر رسول اللہ ﷺ کا پردہ کرنا جو بیہقی (۳۹۸/۵)، وغیرہ نے روایت کیا ہے، اولاً وہ صحیح نہیں پھر ہو سکتا ہے کہ کسی عذر کی بنا پر ہو، واللہ اعلم۔ (۳) ابن ماجہ: ۱۵۵۴، (۴) الاذکار للنووی: ج ۳، ۱۷۳، فتاویٰ عالمگیری: ۱۶۶/۱، الجوهرة النيرة: ۱۵۸/۱، (۵) مستدرک حاکم: ۴۱۱/۲، حدیث نمبر: ۳۴۲۳، بیہقی: ۴۰۱/۳، حدیث نمبر: ۶۵۱۷، مگر اس کی اسناد ضعیف ہے جیسا کہ ابن حجر نے التلخیص: ۱۳۰/۲، میں اور ہیثمی نے مجمع الزوائد: ۴۳/۲، میں فرمایا ہے۔ (۶) مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کے جنازہ میں شرکت کی اور ان کی قبر میں اپنے دونوں ہاتھوں سے تین مٹھی مٹی ڈالی، (بیہقی: ۶۸۳۰)

✽ قبر بنانے کا مسنون طریقہ:

پھر قبر کو مسنون شکل پر بنایا جائے اس طرح کہ:

قبر پر جو مٹی ڈالی جائے وہ صرف وہی ہونا چاہئے جو قبر کھودتے وقت نکالی گئی تھی

، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر پر زیادتی کرنے سے منع فرمایا ہے۔^(۱)

جب مٹی ڈالی جائے تو اس کو کوہان جیسی بنا دیا جائے اور ایک بالشت یا اس

سے کچھ زائد اونچی بنایا جائے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کوہان کی

شکل پر بنائی گئی تھی۔^(۲)

نیز حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قبریں بھی اسی طرح بنی ہوئی ہیں۔^(۳)

قبر کا مربع یعنی چوکور بنانا منع ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں

کو مربع بنانے سے منع کیا ہے۔^(۴)

قبر کو بہت اونچی بھی نہ بنانا چاہئے بلکہ سنت یہ ہے کہ ایک بالشت اونچی بنائی

جائے، حدیث میں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی قبر کو ایک بالشت اونچی بنایا گیا تھا۔^(۵)

قبر تیار ہونے کے بعد اس پر پانی چھڑک دیا جائے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت

ابراہیمؑ صاحبزادہ حضرت نبی کریم ﷺ کی قبر پر اللہ کے نبی ﷺ نے پانی چھڑکا تھا۔^(۶)

اور خود حضرت نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر پر حضرت بلالؓ نے اس طرح

سے پانی چھڑکا کہ اللہ کے نبی ﷺ کے سر سے اپنی داہنی طرف سے شروع کیا اور

پیروں پر ختم کیا۔^(۷)

(۱) نسائی: ۲۰۰۰، ابوداؤد: ۲۸۰۷، بیہقی: ۲۸۵/۵، (۲) بخاری: ۱۳۰۲، ابن ابی شیبہ: ۲۱۵/۳،

(۳) کتاب الآثار: ۵۲، فتح الباری: ۲۵۷/۳، (۴) کتاب الآثار: ۵۲، و ذکر ابن حجر فی الدرر النبی:

۲۴۱/۱ و سکت عنہ (۵) ابن حبان فی صحیحہ: ۶۶۳۵، خلاصۃ البدر المنیر لابن الملقن: ۲۷۱/۱

(۶) بیہقی: ۲۸۶/۵، مراسل: ۴۲۳، (۷) (۱) بیہقی: ۲۷۸/۵، التلخیص: ۱۳۳/۲

اس کے بعد کوئی آدمی قبر کے سرہانے سورۃ بقرہ کا ابتدائی حصہ اور پانکتی سورۃ بقرہ کا آخری حصہ (آمن الرسول) کھڑے ہو کر پڑھے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ جب کوئی مرجائے تو اس کو محبوبوں نہ رکھو بلکہ اس کو اسکی قبر تک جلدی پہنچا دو، اس کے سرہانے سورۃ بقرہ کا ابتدائی حصہ اور پانکتی سورۃ بقرہ کا آخری حصہ پڑھا جائے۔ (۱)

اور حضرت ابو الجلاح سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو دفن کرنے کے بعد میرے سرہانے سورۃ بقرہ کا شروع اور پانکتی سورۃ بقرہ کا آخری حصہ پڑھیں۔ (۲)

❁ دفن اور قبر کے چند مسائل:

قبر پر گرج کر نایامٹی لیں یا عمارت بنانا ناجائز ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر گرج کرنے، اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ (۳)

اسی طرح قبر پر لکھنا جیسا کہ آجکل رواج ہو گیا ہے اور لوگ اس کو بھی فخریہ اپناتے ہیں، یہ بھی مکروہ و ناجائز ہے، حدیث میں اس سے نفی آئی ہے۔ (۴)

لہذا قبروں پر نام، تاریخ وفات وغیرہ کندہ کروا کر لگانے سے پرہیز کرنا بہتر ہے، ہاں اگر کوئی ضرورت ہو تو اس کی اجازت دی گئی ہے۔ (۵)

اگر کوئی حاملہ عورت مرجائے تو اگر اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو اس کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکال لینا چاہئے، پھر عورت کو دفنانا چاہئے۔ (۶)

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ص: ۱۴۹، (۲) نصب الرایۃ: ۳۰۸/۲، بیہقی: ۴۰۴/۵، (۳) مسلم: ۱۶۱۰، ترمذی: ۹۷۲، نسائی: ۲۰۰۰، ابوداؤد: ۲۸۰۷، ابن ماجہ: ۱۵۵۱، احمد: ۱۴۰۳۸، (۴) ترمذی: ۹۷۲، ابن ماجہ: ۱۵۵۶، ابوداؤد: ۲۸۰۷، نسائی: ۲۰۰۰، (۵) شامی: ۲۳۸/۲، فتح القدیر: ۲/۱۵۰، شامی: ۲۳۸/۲

دفنانے کے بعد تمام حاضرین کا میت کے حق میں دعاء کرنا سنت ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ تدفین سے فارغ ہوتے تو فرماتے کہ اپنے (مردہ) بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعاء کرو کیونکہ وہ اب سوال کیا جاتا ہے۔^(۱)

جو بچہ مر کر پیدا ہوا اس کو بھی اسی طرح قبر کھود کر دفنایا جائے جیسے اوپر مذکور ہوا، صرف گڑھا کھود کر نہ ڈال دینا چاہئے۔^(۲)

اگر پانی کے جہاز میں کوئی مرجائے اور ساحل قریب نہ ہو تو غسل و کفن دینے اور نماز پڑھنے کے بعد اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے۔^(۳)

✽ قبر میں اتارنے کے لیے بہتر وہ لوگ ہیں جو میت کے قریبی رشتہ دار ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کو قبر میں اتارنے کے لیے حضرت علی، حضرت قتثم بن عباس، حضرت فضل بن عباس اور آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت شقران، رضوان اللہ علیہم اجمعین مقرر ہوئے تھے۔^(۴)

اور عورت کو قبر میں اتارنے والا وہ ہو جس کو زندگی میں اس کا دیکھنا جائز تھا، ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں اور امام طحاوی نے مشکل الآثار میں روایت کیا ہے کہ حضرت زینبؓ زوجہ حضرت نبی کریم ﷺ کے انتقال پر حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات سے معلوم کروایا کہ ان کی قبر میں کون اترے؟ ازواج مطہرات نے بتایا کہ جو ان کو دیکھ سکتا تھا وہی ان کو قبر میں اتارے۔^(۵)

✽ دفن و قبر کے سلسلہ میں رائج اغلاط:

دفن اور قبر کے بارے میں بھی بہت سارے رسومات و رواجات عوام الناس میں

(۱) ابوداؤد: ۲۸۰۴، (۲) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۵/۵، (۳) البحر الرائق: ۱۹۳/۲، (۴) ابن ماجہ: ۱۶۱۷، ابوداؤد: ۲۷۹۴، البدایہ والنہایہ: ۲۰۴/۵، بعض روایات میں اسامہؓ کا اور بعض میں عبد الرحمن بن عوفؓ کا ذکر ہے (۵) ابن ابی شیبہ: ۲۰۶/۳، اعلاء السنن: ۲۹۵/۸

پائے جاتے ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں یا شریعت میں وہ ممنوع ہیں مثلاً:
 ✽ میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانا:

آج کل میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا رواج بھی وبا کی طرح پھیل گیا ہے اور موقعہ بے موقعہ اپنے مُردوں کو دور دور لے جاتے ہیں، اور بعض لوگ عرب کے علاقوں میں حتیٰ کہ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں انتقال کر جاتے ہیں اور ان کے رشتہ دار وہاں سے اپنے وطن ان اموات کو منگواتے ہیں جبکہ علماء و فقہاء نے تصریح کی ہے کہ میت کو اسی جگہ دفن کرنا مستحب ہے جہاں اس کا انتقال ہوا ہے۔^(۱)

اور حدیث میں ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ فرماتے ہیں کہ ہم جنگِ احد کے دن مقتولین کو اُٹھا کر لا رہے تھے تاکہ ہم ان کو دفن کریں، پس ایک منادی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ تم کو حکم دیتے ہیں کہ مقتولین کو انہیں جگہوں پر دفن کیا جائے جہاں وہ قتل ہوئے ہیں۔^(۲)

حضرت عائشہ ؓ کے بھائی عبد الرحمن ؓ کا جب انتقال ہوا اور وہ حبشی مقام سے لا کر مکہ مکرمہ میں دفن کئے گئے تو حضرت عائشہ ؓ ان کی قبر پر حاضر ہوئیں اور چند اشعار پڑھے، پھر فرمایا کہ اگر میں (دفن کے وقت) حاضر ہوتی تو تم وہیں دفن ہوتے جہاں تمہارا انتقال ہوا تھا۔^(۳)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ میت کو اسی بستی میں دفن کرنا چاہئے جہاں اس کا انتقال ہوا ہے اور بعض علماء نے بصراحت لکھا ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بلا عذر میت کو منتقل کرنا مکروہ ہے جبکہ تین میل سے زیادہ کا فاصلہ ہو۔^(۴)

(۱) البحر الرائق: ۱۹۵/۲، شامی: ۲۳۹/۲، مراۃ القاضی: ۱۵۰، (۲) البدایہ والنہای: ۲۷۵/۲، ابن ماجہ: ۱۵۰۵، ترمذی: ۱۶۳۹، احمد: ۱۳۶۵۳، (۳) ترمذی: ۹۷۵، (۴) شامی: ۲۳۹/۲، منہ الخالق علی البحر الرائق: ۱۹۵/۲

اس سے اس مسئلہ کی وضاحت ہوگئی کہ میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔ اب رہا یہ شبہ کہ حضرت یعقوب اور یوسف علیہما السلام کو ان کی جائے وفات سے دوسری جگہ منتقل کیا گیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود حضرت یوسفؑ کے انتقال کے چار سو سال بعد مصر سے ملک شام منتقل کیا تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پہلی شریعتوں کا حکم ہے اور ہمارے لیے ان پر عمل کے جواز کی شرائط پائی نہیں جاتیں

جیسا کہ علامہ شامیؒ نے تحقیق فرمائی ہے۔ (۱)

اور بعض حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں، وہ یہ کہ ان کو وادی عقیق سے جہاں ان کا انتقال ہوا تھا، چند میل دور مدینہ طیبہ لا کر دفن کیا گیا۔ (۲)

اس کا جواب یہ کہ وادی عقیق، حوالیٰ مدینہ میں سے ہے، جیسا کہ معجم البلدان سے ظاہر ہے۔ (۳)

(۱) اس مسئلہ میں علامہ ابن نجیم مصریؒ نے لکھا ہے کہ جہاں انتقال ہوا وہیں دفن کرنا مستحب ہے، تاہم اگر ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کیا جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اور اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ان حضرات کی جائے وفات سے دوسری جگہ منتقل کئے جانے سے استدلال فرمایا ہے (البحر الرائق: ۱۹۵/۲) مگر علامہ شامیؒ نے اس استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ ہم سے ماقبل شریعتیں ہیں اور ان کے ہمارے لیے مشروع ہونے کی جو شرطیں ہیں وہ یہاں پائی نہیں جاتیں، نیز انہوں نے تاجیہ کے حوالہ سے جزم یا مکراہۃ نقل کیا ہے اور تحنیس کے حوالہ سے فرمایا کہ ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانا مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک بے فائدہ چیز میں اشتغال ہے اور اس میں دفن میں تاخیر بھی ہوتی ہے اور یہ بات مکروہ ہونے کے لیے کافی ہے۔ (منہ الخلق علی البحر الرائق: ۱۹۵/۲) (۲) تہذیب التہذیب: ۳/۴۸۴، ثقات ابن حبان: ۳۴۱/۲ (۳) دیکھو معجم البلدان: ۱۳۹/۴

لہذا یہ ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانا نہیں ہے بلکہ مدینہ کے قریب سے مدینہ کے قبرستان میں لا کر دفن کرنا ہے اور یہ بالاتفاق جائز ہے۔

الغرض یہ رواج قابلِ تکمیل ہے، رہا بعض بڑے بڑے علماء کا موجودہ دور میں منتقل کرنا، یہ حجت و دلیل نہیں، کیونکہ بقول حضرت مرشدی شاہ ابراہیم صاحب ”یہ ان بزرگوں کا فعل نہیں بلکہ ان کے متعلقین کا فعل ہے، دوسرے یہ کہ عمل کتابوں پر ہونا چاہئے۔“

✽ قبر پر اذان:

بعض جگہ دفن کے بعد قبر پر اذان دینے کا رواج ہے، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، علامہ ابن عابدین الشامیؒ فرماتے ہیں کہ ابن حجر مکیؒ نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ یہ بدعت ہے۔^(۱)

ان کے علاوہ اور علماء و فقہاء نے بھی بالتصریح اذان علی القبر کو بدعت و بے اصل قرار دیا ہے کیونکہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین بلکہ خود رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت نہیں، اگر یہ کوئی دینی و شرعی کام ہوتا اور ثواب کی بات ہوتی تو یہ حضرات ضرور اس کو کرتے اور ہرگز اس کو ترک نہ فرماتے۔ معلوم ہوا کہ یہ کوئی ثواب کا کام نہیں بلکہ بے اصل ہونے کی وجہ سے دین میں اضافہ ہے جو سراسر گمراہی اور ضلالت ہے۔^(۲)

✽ قبر کے پاس صدقہ اور کھجور کی تقسیم:

بعض جگہ جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے خیرات کرنے کو ضروری خیال کیا جاتا ہے اور اکثر جگہ دیکھا گیا کہ قبر کے پاس لوگ کھجور تقسیم کرتے ہیں، خیر خیرات کرنا اگرچہ نیکی کے کام ہیں مگر کسی چیز کو یا کسی وقت کو یا کسی کیفیت کو اپنے طرف سے مقرر

(۱) شامی: ۲/۲۳۵، (۲) اس مسئلہ پر مدلل کلام کے لیے مولانا سرفراز خان صاحب صدقہ مدظلہ کی کتاب ”راہِ سنت“ ص: ۲۲۳ تا ۲۳۸، دیکھئے جو قابلِ مطالعہ ہے۔

و متعین کر لینا، بلاشبہ دین میں اضافہ اور بدعت ہے اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ قبر کے پاس کھانے پینے کی چیز رکھنا منکر و غلط ہے، چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

”قبر کے پاس کھانا پانی رکھنے پر علماء نے نکیر کی ہے کیونکہ یہ اور اس جیسے کام کفار کے اعمال میں سے ہیں نہ کہ مسلمانوں کے کاموں سے“۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ کھجور کی تقسیم جو قبر کے پاس کی جاتی ہے یہ مسلمانوں کا طریقہ نہیں ہے اسی طرح علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

”قبر کے پاس صدقہ کرنے کو علماء نے مکروہ قرار دیا ہے“۔ (۲)

غرض یہ کہ اپنی طرف سے کوئی بات تجویز نہ کی جانا چاہئے بلکہ شریعت نے جو سکھایا اور بتایا ہے اس پر عمل کرنا چاہئے۔

❁ دفن کے بعد متین و عاکمیں:

دفن کے بعد میت کے حق میں ثابت قدمی اور مغفرت کی دعاء کرنا احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں مگر عوام میں جو یہ رواج ہے کہ دفن کے بعد متین و دفعہ دعاء کی جاتی ہے ایک قبر کے پاس، دوسرے چالیس یا ستر قدم ہٹ کر اور تیسرے قبرستان سے باہر نکلنے کے بعد قبرستان کے دروازہ پر، یہ بے اصل اور خلاف شرع ہے۔ کسی چیز کی کیفیت و مقدار اپنی طرف سے مقرر کرنا شرع میں جائز نہیں۔ اسی لیے حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ نے لکھا ہے کہ:

”میت کو دفن کر کے ستر قدم پیچھے ہٹ کر دعاء مانگنا بدعت اور مذموم اور ناجائز ہے“۔ (۳)

(۱) فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ: ۳۰۷/۲۶ (۲) فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ: ۳۰۷/۲۶

(۳) فتاویٰ دارالعلوم: ۲۸۱/۵

غرض دفن کے بعد مذکورہ طریقہ پر دعائیں شریعت سے ثابت نہیں، لہذا ان کو

ترک کرنا چاہئے

✽ قبروں کو پختہ و اونچا کرنا:

حدیث میں ہے کہ حضرت بنی کریم ﷺ قبر کو پختہ کرنے، اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قبروں کو پختہ کرنا یا اسپر عمارت بنا کر اونچا کرنا جیسے گنبد وغیرہ بنائے جاتے ہیں، یہ ناجائز و حرام ہے۔ مگر افسوس کہ ایک ناخدا ترس گروہ ایسا ہے جو اپنی زندگی کو انہیں خرافات و محرمات سے وابستہ کیا ہوا ہے اور اس کی روزی و معاش اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بلکہ بعض معمولی لوگوں کی قبروں پر مجاوری اور ان خرافاتی حرکات پر منحصر ہو گئی ہے بلکہ بعض دکان دار قسم کے پیروں نے جانوروں کی قبروں پر مجاوری اختیار کر رکھی ہے، جس کا ذکر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات میں کیا ہے۔ (۲)

اس لیے یہ گروہ ان محرمات کو نہ صرف کرتا ہے بلکہ انکو حق اور جائز ثابت کرنے کے لیے عجیب و غریب اور نامعقول تاویلات سے کام لیتا ہے، جس کو اس قسم کی باطل بلکہ مضحکہ خیز تاویلات کا نمونہ دیکھنا ہو وہ مفتی احمد یار خان رضوی کی کتاب ”جاء الحق“ دیکھلے جو درحقیقت ”جاء الباطل“ کا مصداق ہے اور اس کیساتھ ان کے مدلل و محکم جوابات دیکھنا ہو تو مولانا سرفراز خان صاحب صفدر کی بے مثال کتاب ”راہ سنت“ کا مطالعہ کرے، حق و باطل میں ان شاء اللہ تعالیٰ پوری طرح امتیاز ہو جائے گا، ہماری یہ مختصر کتاب اس کی متحمل نہیں کہ طرفین کے دلائل سے بحث کرے۔

(۱) مسلم: ۱۶۱۰، ترمذی: ۹۷۲، نسائی: ۲۰۰۰، ابوداؤد: ۲۸۰۷، ابن ماجہ: ۱۵۵۱، احمد: ۱۳۰۳۸

(۲) دیکھو ملفوظات جوامع الکلم: ۴۳۷

بہر حال ہم نے اوپر اللہ کے رسول ﷺ کی صحیح حدیث پیش کی ہے جس کا مطلب بالکل واضح ہے اور ہمارے علماء نے اس سے وہی سمجھا ہے جو اوپر پیش کیا گیا۔ امام محمد بن حسن علیہ الرحمۃ جو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے شاگرد اور ان کی فقہ کے سب سے بڑے شارح ہیں، وہ اپنی ”کتاب الآثار“ میں رقمطراز ہیں کہ:

”ہم اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں کہ قبر کو پختہ کیا جائے یا اس پر لپائی کی جائے پھر امام ابو حنیفہؒ کی سند سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے قبروں کو چوکور بنانے اور ان کو پختہ کرنے سے منع کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔“^(۱)

غرض قبروں کو پختہ کرنا، ان کو اونچا کرنا، اور ان پر عمارت بنانا درست نہیں، لہذا ان سے بچنا چاہئے۔

✽ قبروں پر غلاف اور پھول:

آج قبروں کی دنیا جن خرافات و بدعات میں مبتلا ہے ان کی گنتی مشکل ہے، ہر آدمی ایک ایک چیز ایجاد کر رہا ہے، اس لیے ہم نے اوپر شرعی احکام پیش کر دیے ہیں جن کو کرنا روا و جائز یا ثواب کی بات ہے۔ باقی خرافات میں انسان کو پڑنے کی حاجت ہی کیا ہے، تاہم چند مشہور بدعات اور کثرت سے رائج خرافات پر تنبیہ کرنا ضروری ہے۔

ان میں سے ایک یہ کہ قبروں پر تعظیم کے لیے غلاف ڈالتے ہیں، اور اسمیں ان بزرگ کی عظمت سمجھتے ہیں، یہ بھی بے اصل اور فضول ہے اور اسراف اور تبذیر میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے جس کی حرمت قرآن کی نص سے ثابت ہے۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ:

﴿ تَكَرَّهُ السُّتُورَ عَلَى الْقُبُورِ ﴾ یعنی قبروں پر پردہ (غلاف) مکروہ ہے۔ (۱)

اسی طرح قبروں پر پھول یا پھولوں کی چادر ڈالی جاتی ہے جو سراسر لغو کام ہے۔ اگر یہ غلاف ڈالنا اور پھول یا پھولوں کی چادر ڈالنا دین کا کام ہوتا یا اس سے کوئی فائدہ متصور ہوتا، تو حضرت نبی کریم ﷺ اور صحابہ و تابعین، علماء و ائمہ ضرور اس کو کرتے اور اس کا حکم دیتے، حالانکہ ان حضرات سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لہذا ان کاموں کا بدعت ہونا یقینی امر ہے۔

بعض لوگ قبروں پر پھول ڈالنے کے جواز پر ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے دو قبروں پر عذاب ہوتا دیکھ کر ان پر سبز شاخیں لگائیں اور فرمایا کہ یہ جب تک سبز رہیں گی ان قبروں پر عذاب میں کمی ہوگی۔ (۲)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح شاخ تخفیف عذاب کا باعث ہے اسی طرح پھول بھی عذاب میں کمی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ استدلال سراسر دھوکہ اور باطل ہے:

اولاً: تو اس لیے کہ حدیث میں پھول کا ذکر نہیں ہے، شاخ گاڑنے کا ذکر ہے، لہذا اس سے پھول یا پھولوں کی چادر پر استدلال بے معنی ہے۔ رہا شاخ لگانا تو اس کی اجازت ہے اور علماء نے اس کو مستحب قرار دیا ہے۔ (۳)

رہی یہ بات کہ اللہ کے رسول ﷺ نے شاخ اس لیے لگائی تھی کہ وہ ذکر و تسبیح کرتی ہے اس لیے پھول بھی ذکر و تسبیح کرتے ہیں، قبروں پر ڈالنا درست ہونا چاہئے اس کا جواب یہ ہے کہ ذکر و تسبیح تو ہر چیز کرتی ہیں پھول کی کیا تخصیص؟ دوسری چیزیں

(۱) شامی ۲/۲۳۸ (۲) بخاری ۲۱۱۱، مسلم ۴۳۹، نسائی ۲۰۳۱، ابوداؤد ۱۹۰۱، احمد ۱۸۷۷، دارمی:

۷۳۶ (۳) شامی ۲/۲۳۵

کیوں نہیں ڈالی جاتیں؟

ثانیاً: اس لیے کہ علماء کی ایک جماعت نے اس عمل سے عذاب میں تخفیف کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص قرار دیا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ: ”علامہ خطابیؒ اور ان کے تبعین نے قبروں پر شاخ رکھنے پر نکیر کی ہے، اور علامہ طروشؒ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ: یہ اللہ کے نبی ﷺ کے ہاتھ کی برکت کے ساتھ خاص ہے۔ (۱)“

ثالثاً: اس لیے کہ یہ عمل اللہ کے رسول ﷺ کی دعاء و شفاعت ہے۔ امام مسلمؒ نے ایک طویل حدیث میں اسی قسم کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ کے نبی ﷺ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

﴿انی مررت بقبرین یعذبان فاحببْتُ بشفاعتی ان یرقہ ذالک عنہما مادام الغصنان رطبین﴾ (۲)

(میں دو قبروں کے پاس سے گزرا جن پر عذاب ہو رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ میری شفاعت سے ان سے عذاب کم کر دیا جائے جب تک کہ یہ شاخیں سبز رہیں) اس سے معلوم ہوا کہ اصل تو آپ کی شفاعت ہے اور شاخ رکھنا اس مدت کے لیے علامت کے طور پر ہے جس میں عذاب کی تخفیف ہوئی یا ہوگی۔

رابعاً: اس لیے کہ اس میں بعض علماء و صوفیاء کرام کا فرمان ہے کہ یہ تخفیف عذاب دراصل نبی کریم ﷺ کا ایک معجزہ ہے نہ کہ ان تازہ شاخوں کی کرامت، حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ کے ملفوظات جوامع الکلم میں ہے کہ اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ آیت کریمہ

﴿وان من شئی الا یسبح بحمدہ﴾ تو خشک و تر دونوں کو شامل ہے،

پھر اس حدیث پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے فرمایا:

”لیکن تخفیف عذاب کی دراصل وجہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے کہ انہوں نے اللہ سے دعاء کی کہ یہ دونوں شاخصیں سبزرہیں اور ان دونوں اہل قبور پر عذاب میں کمی ہوتی رہے۔“ (۱)

بہر حال یہ پھول کی چادر کا رواج بے اصل ہے اگر حدیث کی اتباع کا شوق ہی ہے تو شاخ لگانا چاہئے جیسا کہ حضرت بریدہ بن الحصیب ؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر پر دو شاخیں رکھ دی جائیں۔ (۲)

اور علامہ سیوطیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ بھی نے اسی طرح کیا ہے۔ (۳)

پھر یہ بات اس لیے بھی بہتر ہے کہ پھول کی بنسبت شاخ و ٹہنی بہت دیر تک سبز و تازہ رہتی ہے تو اس سے پھول کی بنسبت فائدہ بھی زیادہ ہوگا چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے ٹہنی اور شاخ کا انتخاب اس لیے کیا کہ وہ دیر تک سبز رہتی ہے جس سے دیر تک ذکر و تسبیح جاری رہے گی اور میت کے لیے سودمند ہوگی۔ (۴)

(۱) جوامع الکلم: ص ۵۰۷، (۲) بخاری: کتاب الجنائز، باب الجریۃ علی القبر (۳) زہر الربی علی النسائی: ۱۳۱، (۴) زہر الربی علی النسائی: ۳۱۔ **ہل کے ڈھیلے:** لوگوں میں رواج ہے کہ دفن کے وقت ”قل ھو اللہ احد“ پڑھ کر ڈھیلوں پر دم کر کے قبر میں میت کے سر بانے رکھتے ہیں، مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ نے لکھا ہے کہ یہ ثابت نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۵/۴۱۵) اس رسالہ کی پہلی اشاعت میں یہی لکھا گیا تھا، پھر مولانا عبدالقدوس صاحبؒ بنگلوریؒ کی کتاب ”خطبات جمعہ“ نظر سے گزری اس میں آپ نے اس کی دلیل میں ایک حدیث بحوالہ حاکم نقل کی ہے، مگر مستدرک میں مجھ کو نہیں ملی، اور متعدد علماء حدیث (جن میں مفتی سعید احمد صاحبؒ محدث دارالعلوم دیوبند بھی ہیں) سے بھی میں نے رجوع کیا مگر سب نے یہی کہا کہ ایسی حدیث نظر سے نہیں گزری اور نہ میرے پاس موجود کسی کتاب میں ملی، اس لیے احتیاطاً میں نے اس عنوان کو خارج کر دیا۔

تدفین کے بعد

میت کی تدفین کے بعد غم غلط کر کے میت کی بھلائی کی خاطر جو کام کرنے کے ہیں ان کو کیا جائے اسی طرح اس سلسلہ کے دیگر شرعی احکامات کو پورا کر کے اللہ واللہ کے رسول کو خوش کرنے کی فکر کی جائے۔ تدفین کے بعد کا شرعی دستور العمل یہ ہے:

﴿تدفین کے بعد کا شرعی دستور العمل﴾

❁ ایصالِ ثواب:

میت کو ثواب پہنچانے کے لیے شریعت نے جو کام بتائے ہیں ان کو انجام دیا جائے اور ان کا ثواب میت کو پہنچا دیا جائے۔ جمہور علماء اہل سنت کے نزدیک مالی عبادات جیسے صدقہ و خیرات اور بدنی عبادات جیسے نماز و روزہ، ذکر و تلاوت و دعاء و استغفار وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور وہ اس سے مستفیع ہوتی ہے۔ علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

”مردے زندوں کے عمل سے دو طرح مستفیع ہوتے ہیں جن پر اہل سنت کے فقہاء و محدثین و مفسرین کا اجماع ہے ایک یہ کہ میت زندگی میں اس عمل کا سبب بنا ہو دوسرے مسلمانوں کی اس کے حق میں دعاء و استغفار اور اس کے لیے صدقہ و حج سے اس کو نفع ہوتا ہے۔ البتہ بدنی عبادات جیسے روزہ اور نماز، تلاوت و ذکر کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے، امام احمد اور جمہور سلف کا مذہب یہ ہے کہ ان کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے بعض اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ (۱)

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو نفع ہوگا؟ آپ

ﷺ نے فرمایا کہ اس کو نفع ہوگا۔ (۱)

ایک حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا اور اس نے حج نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا کہ تو اس کی طرف سے حج کر۔ (۲)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ میری ماں کی طرف سے میں کیا حج کر سکتی ہوں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میری ماں نے نذر مانی تھی کہ وہ حج کرے گی مگر وہ مر گئی تو کیا میں اس کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہوں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں کر سکتی ہو۔ (۳)

بہر حال صدقہ، حج، عمرہ، ذکر و تلاوت وغیرہ کے ذریعہ میت کو ثواب پہنچانے کی کوشش کرنا چاہئے مگر اس کے لیے کسی رسم کی پابندی نہ کرنا چاہئے۔ جس سے جتنا ہو سکے نیکی کر کے ثواب پہنچائے، نہ دن و مہینہ کی تخصیص کرے اور نہ کسی خاص انداز و کیفیت کی تعیین کرے، اور ثواب پہنچانے کے لیے بھی صرف نیت کر لینا کافی ہے کہ اے اللہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچا۔ (۴)

لہذا ثواب پہنچانے کے لیے نہ کسی مؤذن و امام کو بلانے کی ضرورت اور نہ شیرینی وغیرہ کو سامنے رکھنے کی ضرورت، بس دل سے نیت کر لینا کہ فلاں کو اس کا ثواب پہنچ جائے، یہ کافی ہے۔

نوٹ: اس مسئلہ کی مفصل بحث و تحقیق علامہ ابن القیمؒ نے کتاب الروح

میں کی ہے ﴿

(۱) بخاری: ۲۹۹۱، مسلم: ۱۶۷۲، نسائی: ۴۶۷۷، ابوداؤد: ۲۴۹۵، احمد: ۲۳۱۷، ابن ماجہ: ۲۷۰۸،

مالک: ۱۲۵۵، (۲) نسائی: ۲۵۹۱، (۳) بخاری: ۱۷۲۰، نسائی: ۲۵۸۶، احمد: ۲۰۳۳، (۴) روح

المعانی: ۶۷۲، کتاب الروح: ص: ۱۴۱

❖ دعاء واستغفار:

میت کے لیے جس طرح ایصالِ ثواب ہو سکتا ہے اسی طرح باتفاق علماء اس کے لیے اللہ سے دعاء کی جاسکتی ہے اور اس کے گناہوں کو بخشنے کی درخواست بھی کی جاسکتی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

”ائمہ اسلام اس پر متفق ہیں کہ میت، دعاء اور اس کی طرف سے کئے گئے نیک عمل سے منتفع ہوتی ہے اور یہ بات ان باتوں میں سے ہے جو دین اسلام سے ضروری طور پر معلوم ہیں، جو اس کے خلاف ہے وہ اہل بدعت میں سے ہوگا۔“ (۱)

حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ دفن میت سے فارغ ہوتے تو فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور ثابت قدمی کی دعاء کرو۔ (اس حدیث کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ میت کے حق میں دعاء کرنے سے اس کو فائدہ ہوتا ہے۔ دعاء کیا کرنی چاہئے؟ اس میں کوئی قید نہیں، میت کے لیے جو بھی مفید ہو اس کی دعاء کی جائے، جیسے حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابوسلمہؓ کے لیے یہ دعاء کی کہ اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت کر، ان کے درجات کو بلند کر ان کی قبر کو کشادہ فرما اور ان کے لیے قبر میں روشنی فرما۔ (۲)

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ سے میت کے حق میں جو بھی بہتر خیال کرے وہ دعاء کرے، اس سے میت کو فائدہ ہوگا اور یہی دراصل میت کے لیے عظیم تحفہ ہے جو کوئی انسان اس کے لیے بھیج سکتا ہے

❖ میراث کی تقسیم:

میت کی تدفین کے بعد ایک نہایت اہم کام تقسیم میراث ہے یعنی اگر میت نے مال چھوڑا ہو تو اس کو اس کے وارثوں میں شرعی قانون اور حساب کے مطابق بانٹنا۔

(۱) فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ: ۳۰۶، ۲۳۰، (۲) مسلم: ۱۵۲۸، ابوداؤد: ۲۷۱۱، احمد: ۲۵۳۳۲

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مال چھوڑ کر مرا تو وہ مال اس کے وارثوں کا ہے۔ (۱)

نیز احادیث میں ہے کہ بعض حضرات کے انتقال پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے وارثین کو تلاش کر کے ان تک ان کی میراث کا حصہ پہنچانے کا حکم دیا۔ مثلاً ایک حدیث میں ہمیکہ ایک صاحب حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ میرے پاس قبیلہ ازد کے ایک آدمی کی میراث ہے مگر میں اس قبیلہ کا کوئی آدمی نہیں پاتا ہوں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ایک سال تک اس کی تلاش کر، وہ صاحب ایک سال بعد آئے اور عرض کیا کہ (ایک سال کی تلاش کے باوجود) میں نے کوئی آدمی قبیلہ ازد کا نہیں پایا، آپ نے فرمایا کہ قبیلہ خزاعہ کے کسی مرد دراز شخص کو دیدو۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ میراث کے مستحق، میت کے وارث ہیں اس لیے اس کو ان میں تقسیم کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد آیا ہے کہ اللہ کی کتاب میں جو وارثین کے حصے مقرر ہیں ان کو ان کے حقداروں تک پہنچادو، اور جو بچ جائے وہ میت سے رشتہ میں سب سے قریب مرد کا حصہ ہے۔ (۳)

آج کل اس سلسلہ میں بھی بہت ہی کوتاہی اور غفلت سے کام لیا جاتا ہے اور اچھے اچھے بظاہر نیک و دیندار قسم کے لوگ بھی اس سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ اس سے غافل ہیں بلکہ عجیب قسم کی چالاکیوں سے دوسروں کی میراث دبا لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس بارے میں اسلام میں سخت تنبیہات و تشددات و عیدات آئی ہیں۔ ایک موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی کی ایک بالشت

(۱) بخاری: ۲۱۳۳، مسلم: ۳۰۴۰، ابوداؤد: ۲۵۱۲، ابن ماجہ: ۲۷۲۸، احمد: ۱۶۵۴۷، (۲) ابوداؤد:

کتاب الفرائض: ۲۵۱۶، احمد: ۲۱۸۶۶، (۳) بخاری: ۶۲۴۰، مسلم: ۳۰۲۸، ابوداؤد: ۲۵۱۱، ابن

زمین بغیر حق کے دہالی اس کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات زمینوں کا طوق (بطور سزا) پہنائے گا۔^(۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اس زمین کی وجہ سے زمین میں دھنسا دے گا۔^(۲)

غرض یہ کہ میراث کا اس کے حقداروں کو شرعی قانون و حساب کے مطابق پہنچانا ضروری اور اس میں کوتاہی کرنا باعث عذاب ہے۔

اس سلسلہ میں عام طور پر جن کوتاہیوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے وہ یہاں عرض کرتا ہوں:

بہت سے گھرانوں میں سرے سے میراث تقسیم کرنے کا رواج ہی نہیں ہے، اس پر اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔

بعض لوگ جو اس بارے میں کچھ حساس ہیں ان کی بے حسی کا یہ حال ہے کہ میراث اصول اور حساب شرعی کے مطابق تقسیم نہیں کرتے بلکہ بے قاعدہ جس کو جتنا چاہا دیدیتے ہیں اور اس میں بسا اوقات آپس میں نزاع و فساد بھی پیدا ہو جاتا ہے اور رشتہ داری، رستہ کشی کا ایک مظاہرہ ہو کر رہ جاتی ہے۔

اس لیے میراث کی تقسیم شرعی حساب کے مطابق کرنا چاہئے تاکہ وارثین کو ان کا حصہ پورے طور پر ملے۔ اسی لیے حدیث میں اس کے مسائل کو سیکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿تَعْلَمُوا الْقُرْآنَ وَ الْفَرَائِضَ وَ عَلِمُوا النَّاسَ فَانِي مَقْبُوضٌ﴾^(۳)

(۱) بخاری: ۲۲۷۳، مسلم: ۳۰۲۵، احمد: ۲۳۹۴۷، (۲) بخاری: ۲۲۷۳، احمد: ۵۲۸۱

(۳) ترمذی: ۲۰۱۷

(ترجمہ: قرآن اور میراث کے احکام و مسائل سیکھ لو کہ میں وصال کر جانے

والا ہوں)

اور اسی حدیث میں امام داری اور امام بیہقی نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا ہوگا کہ دو آدمی میراث کے بارے میں جھگڑیں گے مگر ان کو (صحیح و شرعی) فیصلہ کرنے والا کوئی نہ مل سکے گا۔ (۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿تَعْلَمُوا الْفَرَائِضَ وَ عِلْمُوهُ النَّاسُ فَانْهَ نَصْفَ الْعِلْمِ وَهُوَ

يُنْسِي﴾ (۲)

(ترجمہ: فرائض یعنی میراث کے احکام سیکھو کہ وہ آدھا علم ہے اور وہ بھلا دیا

جائے گا)

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”میراث کے احکام سیکھو کہ وہ تمہارے دین میں سے ہیں“ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ”جو قرآن سیکھے اس کو چاہئے کہ وہ فرائض بھی سیکھے“۔ (۳)

غرض یہ کہ شرعی قواعد کے مطابق میراث کی تقسیم ہونا ضروری ہے، اور عوام الناس کو اس سلسلہ میں علماء ماہرین کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

بعض لوگ میراث کو صرف لڑکوں کا حق سمجھتے ہیں اور لڑکیوں کو اس میں سے نہیں دیتے حالانکہ شریعت نے جس طرح میراث میں بیٹیوں کا حق بتایا ہے اسی طرح بیٹیوں کا حق و حصہ بھی بتایا ہے اور معلوم ہونا چاہئے کہ لڑکیوں کو حصہ نہ دینا جاہلیت کی ایک باطل رسم ہے جس کی اصلاح کے لیے اللہ نے اسلام کو دنیا میں بھیجا۔ اس لیے اہل اسلام کو

(۱) داری: ۲۲۳، بیہقی: ۲۲۶، ۹: ۲۲۶ (۲) بیہقی: ۲۲۱، ۹: ۲۲۱ (۳) سنن سعید بن منصور، قسم اول ۲/۲، ۲۲۱، ۹: ۲۲۱

اس پر سختی سے عمل پیرا ہونا چاہئے۔

بعض لوگ تمام وارثین میں میراث تقسیم نہیں کرتے بلکہ جن سے تعلقات اور معاملات اچھے ہوتے ہیں ان کو دیتے ہیں اور جن سے تعلقات اچھے نہیں ہوتے ان کو محروم کر دیتے ہیں۔ یہ بالکل حرام اور ناجائز ہے کیونکہ اس سلسلہ میں کسی کو اللہ نے یا رسول ﷺ نے اختیار نہیں دیا ہے کہ جس کو چاہے دیدے اور جس کو نہ چاہے، نہ دے، بلکہ اللہ و رسول نے خود ہی سبھی حقداروں کے حصے مقرر کر دئے ہیں اور ان میں کمی و بیشی کا بھی ان کی رضا کے بغیر کسی کو اختیار نہیں دیا گیا۔

بعض گھرانوں میں نافرمان اولاد کو عاق کر نیکی رسم ہے کہ نافرمان اولاد کو میراث سے محروم کر دیتے ہیں، مگر یہ بھی شرعاً جائز نہیں بلکہ اللہ و رسول ﷺ نے ان کا جو بھی حق مقرر کیا ہے وہ دینا چاہئے، خواہ وہ اطاعت شعار ہو یا نافرمان ہو۔

بعض لوگ بیوہ عورت کو اگر وہ دوسرا نکاح کر لے تو اس کے پہلے شوہر کی میراث سے محروم کر دیتے ہیں۔ یہ بھی سراسر ظلم اور خلاف شرع بات ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ عورت اگر اپنے شوہر کی وفات کے بعد دوسرا نکاح حسب شرائط کرنا چاہے تو اس کو اس کا پورا حق ہے اور اس سے کسی طرح بھی اس کو روکنا جائز نہیں۔^(۱)

اور وہ ایک جائز کام کرے تو اس کو اس کے حق سے محروم کرنا کیسے روا ہو سکتا ہے؟ لہذا یہ بدعت بھی ختم کرنا چاہئے، بعض لوگ بہنوں سے اپنا حصہ معاف کرا لیتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ معاف ہو گیا، مگر

یہ معافی عام طور پر دل سے نہیں ہوتی بلکہ کبھی تو جبر و اکراہ کی بنا پر ہوتی ہے اور کبھی کسی دھوکہ کی وجہ سے اور کبھی رسماً یا شرماً شرمی میں ہوتی ہے اور شرعاً اس قسم کی

(۱) قرآن میں طلاق کی عدت کے بعد مطلقہ عورتوں کو ان کی مرضی کی شادی کرنے سے روکنے سے منع کیا گیا ہے (سورہ بقرہ: ۲۳۲) اور یہی حکم بیوہ عورت کا بھی ہے۔

معافی کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ بغیر طیب نفس (بغیر دلی رضا و خوشی) کے کافر معاہد کا مال لینا بھی جائز نہیں تو کسی مسلمان کا مال لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔^(۱)

❖ قرض کی ادائیگی:

میت پر اگر قرض ہو تو اس کے قریبی رشتہ داروں کو چاہئے کہ اس کے مال سے پہلے اس کا قرض ادا کر دیں پھر میراث تقسیم کریں، حضرت جابرؓ کے والد کا انتقال ہوا تو ان پر قرض تھا اور انہوں نے کچھ بھجور ترکہ میں چھوڑے تھے، حضرت جابرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ قرض خواہوں کو قرض ادا کرنا ہے، آپ بھی تشریف لے چلیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور دعاء کی اور تمام قرض خواہوں کا قرضہ ادا فرمایا، مگر پھر بھی (آپ کی برکت سے) اتنا ہی بچا رہا جتنا کہ دیا گیا۔^(۲)

اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ وصیت سے پہلے قرض ادا کرنے کا فیصلہ کرتے تھے۔^(۳)

معلوم ہوا کہ سب سے پہلے میت کا قرض اس کے مال سے ادا کرنا چاہئے، یہ اس کے قریبی رشتہ داروں کی ذمہ داری ہے۔

❖ وصیت پوری کرنا:

اگر میت نے کوئی وصیت کی ہو تو اس کو قرض کی ادائیگی کے بعد پورا کرنا چاہئے، مگر اس کا لحاظ رکھا جائے کہ مالی وصیت ہو تو ایک تہائی سے زائد مال کی وصیت پوری نہیں کی جائے گی۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو صرف تہائی حصہ کی وصیت کی اجازت دی اور فرمایا کہ تہائی بھی بہت ہے۔^(۴)

(۱) مسند احمد: ۱۶۳۰۵، (۲) بخاری: ۲۲۲۰، نسائی: ۳۵۷۶، احمد: ۱۳۸۳۹، ابن ماجہ: ۲۴۲۵،

(۳) ترمذی: ۲۰۴۸، ابن ماجہ: ۲۷۰۶، احمد: ۵۶۱۱، (۴) بخاری: ۲۰۴۲، نسائی: ۳۵۶۸، احمد:

۱۳۶۳، دارمی: ۳۰۶۳، الطحاوی: ۲۵۰۲، مؤطا مالک ص: ۳۱۸

معلوم ہوا کہ ایک تہائی کی وصیت ہو تو اس کو پورا کیا جائے گا، دوسرے اس بات کا خیال ہونا چاہئے کہ ناجائز کام کی وصیت نہ ہو، اگر میت نے کسی ناجائز کام کی وصیت کی ہو تو اس کو پورا نہیں کیا جائے گا، مثلاً کسی نے وصیت کی کہ میری قبر پر قبہ یا گنبد بنایا جائے یا اور کسی ناجائز بات کی وصیت کیا تو یہ وصیت باطل ہے۔^(۱)

﴿تدفین کے بعد کی غیر شرعی رسومات﴾

تدفین کے بعد کا جو شرعی دستور تھا، وہ پیش کر دیا گیا، اب ایک نظر ان خرافات و رسومات کی طرف بھی کیجئے جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، مگر اس کے باوجود وہ رسمیں عوام میں عام اور شائع و مقبول ہیں، مثلاً:

میت کے گھر کھانا کھانے کا رواج:

آج کل ایک عام رواج یہ ہو گیا ہے کہ میت کے گھر والے جنازے میں آنے والوں کے لیے کھانے کا انتظام کرتے ہیں، یہ بھی غلط اور گناہ کا کام ہے۔ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”ہم (صحابہ) میت کے گھر جمع ہونے اور کھانا بنانے کو نوحہ شمار کرتے تھے۔“^(۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح نوحہ (یعنی چیخ چیخ کر رونا) حرام ہے اسی طرح میت کے گھر جمع ہو کر کھانا کھانے کو حرام سمجھتے تھے، اسی لیے حضرات فقہاء نے بھی صاف طور پر اس کو ناجائز و بدعت قرار دیا ہے۔ علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ اہل میت کی طرف سے ضیافت کرنا مکروہ ہے، کیونکہ وہ خوشی کے موقع پر مشروع ہے نہ کہ غم کے موقع پر اور یہ بدعت قبیحہ ہے۔^(۳)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

(۱) در مختار مع شامی: ۶/۶۶۶ و ۶/۶۹۰، (۲) ابن ماجہ: ۱۶۰۱ (۳) شامی: ۲/۲۴۰

”رہا اہل میت کا کھانا تیار کرنا اور لوگوں کو اس کی دعوت دینا پس یہ غیر مشروع ہے اور یہ تو بس بدعت ہے۔“ (۱)

اور اس مسئلہ میں جس طرح علماء حق (جن میں علماء دیوبند بھی شامل ہیں) کا یہی مسلک ہے اسی طرح بریلوی مکتب فکر کا بھی یہی مسلک ہے، چنانچہ بریلوی مکتب فکر کے بانی مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اپنی کتاب ”احکام شریعت“ میں لکھتے ہیں:

”یہ دعوت خود ناجائز و بدعتِ شنیعہ و قبیحہ ہے، امام احمد اپنے مسند اور ابن ماجہ سنن میں بہ سند صحیح حضرت جریر بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں ﴿﴾ کنا نعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعة الطعام من النجاسة ﴿﴾ (ہم گروہ، صحابہ اہل میت کے یہاں جمع ہونے، ان کے کھانے تیار کرانے کو مردہ کی نیاحت شمار کرتے تھے) جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں ناطق ہیں۔“ (۲)

اسکے علاوہ اس میں اور بھی مفاسد و خرابیاں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ کھانا میت کے ترکہ سے تیار کیا جاتا ہے اور تمام وارثین کی بطیب خاطر اجازت کے بغیر اس مال کا استعمال ناجائز ہے، اور کبھی وارثین میں کوئی نابالغ بھی ہوتا ہے جس کی اجازت بھی شرعاً معتبر نہیں تو یہ کھانا ناجائز ہوا اور اس کا کھانا معصیت ہوا مگر افسوس کہ آج اس کی پروا نہیں کی جاتی اور نہ صرف میت کے گھر والے بلکہ وہاں جا کر کھانے والے بھی بلا کسی تردد کے کھا لیتے ہیں۔

✽ میت کی برائی بیان کرنا:

کسی مسلمان کی غیبت اور اس کا شکوہ شکایت اسلام میں ممنوع اور ناجائز ہے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ شاید ہی کوئی مسلمان اس سے بیخبر ہوگا۔ مگر یہ بھی ایک

(۲) فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۳۱۶/۲۴، (۲) احکام شریعت: ۲۹۲/۳

حقیقت ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ اس ممنوع و حرام کام میں اشتغال کو ایک محبوب مشغلہ کے طور پر اختیار کرتے ہیں اور جن لوگوں کو اس کی عادت پڑ جاتی ہے وہ زندوں سے لیکر مُردوں تک سبھی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، حالانکہ اسلام نے اس کی تاکید کی ہے کہ مُردوں کی خوبیاں تو بیان کرو مگر ان کی برائی نہ کرو۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿ لَا تَسْبُوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا ۖ ﴾ (۱)

(ترجمہ: مردوں کو گالی مت دو کیونکہ وہ اس جگہ پہنچ گئے جس کے لیے انہوں نے (اچھایا برائے) بھیجا تھا)

اور ایک دوسری حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ اذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَ كَفُّوا عَنْ مَسَاوِيهِمْ ۖ ﴾ (۲)

(ترجمہ: اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے (اپنی زبانوں کو) روک رکھو)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کو نہ گالی دینا جائز اور نہ ان کی غیبت و برائی کرنا جائز ہے، بلکہ ان کی تعریف و خوبی بیان کرنا چاہئے، ہاں اس میں مبالغہ سے کام نہ لے کہ یہ بھی بُری بات ہے اور اسلام میں ناپسندیدہ فعل ہے۔

❁ قرآن خوانی اور اس پر اجرت:

میت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن پڑھنا مفید و نفع بخش ہے جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں لیکن ہمارے علاقوں میں قرآن خوانی اور آیتِ کریمہ پڑھنے کی جو

(۱) بخاری: ۱۳۰۶، نسائی: ۱۹۱۰، احمد: ۲۳۲۹۶، دارمی: ۲۳۹۹، (۲) ابوداؤد: ۴۲۵۴، ترمذی: ۹۴۰

رسم عوام بلکہ بعض خواص میں رائج ہے جس میں لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے، حفاظ و قراء کو جمع کیا جاتا ہے، یہ سراسر بدعت ہے۔ چنانچہ علامہ شامیؒ رد المحتار میں بزاز یہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”تلاوت قرآن کے لیے دعوت کا انتظام کرنا صلحاء اور قاریوں کو ختم قرآن یا سورۃ انعام یا سورۃ اخلاص پڑھنے کے لیے جمع کرنا مکروہ ہے۔ پھر معراج کے حوالہ سے لکھا کہ یہ تمام کام شہرت و ریاء کاری کے لیے ہوتے ہیں، لہذا ان سے بچنا چاہئے۔^(۱) معلوم ہوا کہ یہ قرآن خوانی اور آیت کریمہ پڑھنے کے لیے جو دعوت دی جاتی ہے یہ ناجائز و مکروہ ہے پھر بعض جگہ حفاظ و طلبہ کو اجرت پر تلاوت کے لیے بلایا جاتا ہے حالانکہ اجرت پر تلاوت کر نیوالے ہی کو ثواب نہیں ملتا پھر وہ میت کو ثواب کیسے بخشے گا؟ علامہ شامیؒ نے اپنے ایک رسالہ میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے تلاوت قرآن پر اجرت لینا، دینا تمام علماء کے نزدیک ناجائز ہے اور اجرت پر پڑھنے والوں کو کوئی ثواب حاصل نہیں ہوتا بلکہ ان کا ثواب تو وہی مال ہے جو بطور اجرت ان کو مل رہا ہے، علامہ شامی کا یہ رسالہ ان کے رسائل کے مجموعہ میں شامل ہے۔^(۲)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

قرآن مجید پڑھنے اور اس کا ثواب ہدیہ کرنے کے لیے اجرت پر کسی کو لینا بالاتفاق صحیح نہیں ہے اور جو علماء نے اختلاف کیا ہے وہ تلاوت قرآن پر اجرت لینے کے بارے میں نہیں بلکہ تعلیم قرآن، اذان، امامت اور غیر کی طرف سے حج کے بارے میں ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (آگے چلکر فرماتے ہیں) امام احمد کے مذہب میں ایک قول یہ ہے کہ فقیر کے لیے تلاوت پر اجرت لینا جائز ہے لیکن وہ اللہ کے لیے

پڑھے اور ضرورت کے لیے اُجرت لے اور اگر وہ اُجرت کے بغیر پڑھتا ہی نہ ہو تو اس کو اس تلاوت پر ثواب نہیں ملے گا اور جب خود اس کو ثواب نہیں ملا تو میت کو بھی کچھ نہ پہنچے گا۔^(۱)

غرض یہ کہ اُجرت پر قرآن پڑھا جائے یا ذکر وغیرہ کیا جائے، اس سے ثواب نہیں ملتا، اس لیے یہ قرآن خوانی کی رسم جس سے حفاظ و قراء کو اُجرت دیکر بلایا جاتا ہے، حرام ہے اور بلا اُجرت جو یہ رسم ہوتی ہے یہ بھی بدعت ہے، لہذا بلا رسم کی پابندی کے جو افراد گھر کے یا قرب و جوار کے بلا تکلف جمع ہو جائیں وہ سب ملکر قرآن پڑھکر یا ذکر کر کے ثواب میت کو پہنچا دیں جیسا کہ اوپر تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے۔

❁ کھانے اور مٹھائی پر فاتحہ:

بہت سے مقامات پر ایصالِ ثواب کے لیے جو کھانا دیا جاتا ہے اس پر فاتحہ دینے کا ایک مہمل طریقہ رائج ہے، اسی طرح بعض لوگ مٹھائی پر فاتحہ دیتے ہیں۔ یہ طریقہ نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ صحابہ و تابعین سے اور نہ فقہاء کرام سے ثابت ہے۔

ایصالِ ثواب کا صحیح طریقہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، اس سے ہٹ کر کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے اسی فاتحہ مروجہ کے متعلق سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ:

”جو طریقہ فاتحہ کا مروج ہے کہ شیرینی وغیرہ سامنے رکھکر، کھڑے ہو کر فاتحہ دیتے ہیں اس کی اصل شرع میں نہیں ہے۔“^(۲)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: یہ طریق ایصالِ ثواب کا زمانہ شفع المذنبین رحمۃ العالمین و صحابہ و تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین میں نہ تھا اور نہ اب تک خاص

(۱) فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ: ۳۱۵/۲ تا ۳۱۶ (۲) مجموعہ فتاویٰ عبدالحیؒ: ۸۵/۱

شرفاء عرب کا دستور ہے، بناءً علیہ میرے نزدیک طریقہ مروجہ شروع نہیں۔^(۱)

معلوم ہوا کہ فاتحہ کا یہ مروجہ طریقہ بدعت ہے، پھر اس میں بعض امور خلاف عقل بھی کئے جاتے ہیں، مثلاً فاتحہ دینے والا فاتحہ دیکر مردوں کو ثواب پہنچاتا ہے، جبکہ وہ کھانا جو ایصالِ ثواب کے لیے پکایا ہے، ابھی غریبوں کو دیا ہی نہیں گیا ہے، جب غریبوں کو دیا ہی نہیں تو ثواب کہاں ملا؟ پھر وہ جو پہنچایا جا رہا ہے وہ کیا ہے؟ نیز بعض جگہ خصوصاً دیہاتوں میں فاتحہ کے لیے ملا، شیخ، پیر، مؤذن وغیرہ کی تلاش ہوتی ہے اور ان کو اُجرت دیکر ان سے فاتحہ پڑھواتے ہیں اور یہ ناخدا ترس لوگ عجیب چالاکیاں کرتے ہیں کہ دس روپے کی فاتحہ، بیس کی، تیس کی، سو کی دوسو کی فاتحہ گھڑ رکھی ہے اور جاہلوں کو دھوکہ دیتے ہیں، افسوس کہ سیدھے سادھے مذہبِ اسلام کو ان من مانی بدعات و رسومات نے کس قدر مشکل بنا دیا بلکہ اس کے حلیہ کو کس قدر بگاڑ دیا ہے۔ اللہم احفظنا من هذه الخرافات۔

غرض یہ سب بے کار و لایعنی و فضول اعمال ہیں جن سے بچنا ضروری ہے اور سنت پر عمل کی فکر لازم ہے اسی سے خود کو اور میت کو دونوں کو نفع ہوگا۔

❖ قبر پر قرآن پڑھوانے کی رسم:

اکثر لوگوں میں رواج ہے کہ تدفین کے بعد چالیس دن تک قبر پر کسی حافظ یا قاری سے قرآن پڑھواتے ہیں اور بعض لوگ ان کو اُجرت پر مقرر کرتے ہیں، اُجرت پر تلاوتِ قرآن کا مسئلہ اوپر گزرا ہے کہ یہ حرام ہے اور اس سے ثواب ہی نہیں ملتا اور خود چالیس دن تک قبر پر قرآن پڑھوانے کی رسم صحیح نہیں ہے، سلفِ صالحین سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ:

قبروں پر قرأت کرنا امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اور امام احمدؒ کی

ایک روایت میں مکروہ ہے کیونکہ نئی اور من گھڑت بات ہے جو حدیث میں وارد نہیں۔^(۱)

حضرت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

”قبروں پر پابندی سے قرأت کرنا سلف کے نزدیک معروف نہیں تھا اور خود قبر پر قرأت کرنے کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے اکثر روایات میں مکروہ قرار دیا ہے اور امام احمدؒ نے دوسرے قول میں اجازت دی ہے اور تیسرے میں تفصیل کی ہے کہ دفن کے وقت قرأت جائز ہے اور دفن کے بعد معمولاً قرأت یہ بلاشبہ بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں معلوم۔“^(۲)

خلاصہ یہ ہے کہ کبھی کبھی قبر پر جا کر تلاوت کرنے کے متعلق علماء میں اختلاف ہے اور درمختار میں جواز اسی پر محمول ہے اور اگر مستقل مقرر کر کے پڑھوایا یا پڑھا جائے تو یہ بالاتفاق بدعت ہے۔

❁ سوم، دسواں، بیسواں، چہلم و برسی کی رسمیں:

تدفین کے بعد بڑے پیمانے پر اور اعلیٰ معیار پر کی جانے والی رسموں میں سوم، دسواں، بیسواں، چہلم، و برسی کی رسمیں عوام الناس میں بڑی معروف و مقبول ہیں۔ مگر کیا ان کا شریعت میں بھی کوئی اعتبار ہے؟ اور کیا ان کی کوئی سند و دلیل بھی ہے؟ اس کا جواب صرف اور صرف یہی ہے کہ یہ ساری رسومات بے اصل و بے دلیل ہیں اور اسی وجہ سے حضرات علماء نے ان کو بدعت قرار دیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ”مدارج النبوت“ میں فرماتے ہیں کہ:

”ان حضرات (صحابہ) کی عادت نہ تھی کہ میت کے واسطے جمع ہوں اور قرآن پڑھیں اور ختمات کریں، نہ قبر پر نہ دوسری جگہ اور یہ سب بدعت ہے۔ تیسرے روز مخصوص اجتماع اور دیگر تکلفات کا ارتکاب اور مالوں کا بلا وصیت میت اس کے یتیم

(۱) شرح فقہ اکبر: ص ۱۶۰ (۲) فتاویٰ ابن تیمیہؒ: ۲۳/ ۳۱۷

بچوں کے حق سے خرچ کرنا بدعت و حرام ہے۔ (۱)

علامہ شامیؒ نے بحوالہ بزاز یہ لکھا ہے کہ:

”موت ہونے کے دن اور تیسرے دن اور ہفتہ بعد اور عیدوں کے موقعوں پر

کھانا بنانا اور خاص موقعوں پر قبر پر بھیجنا مکروہ ہے۔ (۲)

ملا علی قاریؒ ”مرقاۃ المفاتیح“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

ہمارے اصحاب نے یہ ثابت کیا ہے کہ مرنے کے بعد پہلے اور تیسرے دن

اور اسی طرح ہفتہ بعد کھانا پکانا مکروہ ہے۔ (۳)

اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ اپنے ”وصیت نامہ“ میں فرماتے ہیں:

”میرے مرنے کے بعد دنیوی رسمیں جیسے دسواں، بیسواں، چہلم، ششماہی

اور برسی کچھ نہ کریں۔ (۴)

یہ سب عبارات حضرات فقہاء و علماء کی صاف بتا رہی ہیں کہ یہ رسومات

شریعت میں اضافہ و بدعت اور ناجائز ہیں۔

غور کیجئے کہ جن رسومات کو علماء نے بدعت و ضلالت قرار دیا ہے، آج

مسلمانوں میں وہ کس قدر مقبول و رائج ہیں؟ کیا یہ شیطانی دھوکہ اور فریب نہیں ہے کہ

ایک ناجائز اور بدعی کام کو صواب و کارِ ثواب سمجھ لیا جائے؟

پھر ان میں کئی مفاسد و خرابیاں ہیں مثلاً: (۱) عموماً اس قسم کی دعوتیں میت کے

مال سے کی جاتی ہیں اور تمام وارثین کی اجازت نہیں لی جاتی اور کبھی وارثین میں

نابالغ بھی ہوتے ہیں جن کی اجازت بھی شرعاً معتبر نہیں، تو اس قسم کا کھانا شرعاً حرام

ہے۔ (۲) اس قسم کی دعوتوں میں عام طور پر صرف مالداروں کو یا کم از کم مالداروں کو

(۱) مدارج النبوت: ۲۲۱/۱، (۲) شامی: ۲۴۰/۲، (۳) مرقاۃ المفاتیح: ۵/۲۸۲

(۴) وصیت نامہ ملحقہ ”مالا بدمنہ“ ص: ۱۶۶

بھی بلایا جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ غنی لوگوں کو کھلانے سے صدقہ ادا نہیں ہوتا پھر ثواب کیسا؟ جب ثواب نہ ملتا تو پھر بخشش گے کیا؟ (۳) نیز بعض لوگ ان رسومات کو ادا کرنے کیلئے سودی قرض یا کم از کم قرض لیتے ہیں اور اسلام میں بلا ضرورت قرض لینا بھی پسندیدہ نہیں اور سودی قرض لینا تو حرام ہے۔ یہ سارے مفاسد اور خرابیاں ان بے اصل رسومات کی بدولت لازم آتی ہیں جس کی وجہ سے یہ رسمیں اور زیادہ قبیح و منکر ہو جاتی ہیں، اس لیے ان کو بالکل ترک کرنا چاہئے۔

✽ گھروں میں روحوں کے آنے کا عقیدہ:

بعض جاہل لوگوں میں یہ عقیدہ ہے کہ برسی، چہلم، اور دوسرے بعض خاص خاص دنوں جیسے عیدوں میں میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور اپنی پسندیدہ چیزیں کھاتی ہے اور اسی عقیدہ کی بنا پر بعض جگہ برسی وغیرہ کے موقع پر ایک کمرے میں دسترخوان پر میت کی پسندیدہ اشیاء رکھی جاتی ہیں تاکہ وہ اس کو کھا سکے۔ یہ عقیدہ انتہائی لغو و بے اصل اور نامعقول ہے کیونکہ میت اگر دوزخی اور عذاب میں گرفتار ہے تو اس کی روح کا عذاب سے چھوٹ کر آنا کیونکر ممکن ہے؟ اور اگر وہ جنتی ہے تو دنیا کی فانی و مادی چیزوں کی تلاش میں وہ کیوں آئے گی؟

لطیفہ: ایک جگہ اسی قسم کی تقریب میں ایک مولانا کو مدعو کیا گیا تو وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک دسترخوان پر مختلف کھانوں کے ساتھ بیڑی سگریٹ بھی ہے، مولانا کو حیرت ہوئی کہ یا اللہ! یہ بیڑی سگریٹ دسترخوان پر کیوں؟ بعد میں پتہ چلا کہ یہ زندہ دعوتیوں کے لیے نہیں بلکہ میت کی روح کے لیے ہے۔ لاحول ولا قوۃ! کس قدر بے ہودہ عقیدہ ہے؟ غرض یہ کہ یہ عقیدہ بے اصل ہے اور جو بعض روایات میں روحوں کے گھر میں آنے کا ذکر آیا ہے، یہ روایات صحیح وثابت نہیں ہیں۔

✽ حیلہ اسقاط:

بعض جگہ میت کی نمازوں اور روزوں کا شرعی فدیہ ادا کرنے کے بجائے یہ کرتے ہیں کہ میت کا وارث ایک آدمی (مثلاً ملا، مؤذن وغیرہ) کو ایک نماز کے فدیہ کی رقم دیکر پھر اس سے اپنے نام وہ ہبہ کرالیتا ہے پھر وہی رقم دوسری نماز کے فدیہ میں اس آدمی کو دیتا ہے اس طرح گویا تمام نمازوں کا فدیہ ادا کرتے ہیں۔ یہ بھی غلط رسم ہے اور جو فقہاء نے ایسا حیلہ لکھا ہے وہ مخصوص شرائط کے ساتھ ہے جو یہاں عام طور پر پائی نہیں جاتیں۔ لہذا یہ رسم فقہاء کے کلام سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔ اور اس کے موجد دراصل پیٹ پالو قسم کے پیر اور دکان دار مولوی ہیں، اس لیے اس کو بھی ترک کرنا لازم ہے۔

زِیَارَتِ قُبُور

اسلامی شریعت میں وقتاً فوقتاً قبرستان جانا اور ایصالِ ثواب کرنا اور عبرت حاصل کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کر دیا تھا (لیکن اب تم کو اجازت ہے کہ) قبروں کی زیارت کرو، اور ایک روایت میں ہے کہ قبروں کی زیارت کرو کہ وہ آخرت کی یاد دہانی کرتی ہیں۔ (۱)

لہذا عبرت کی خاطر اور آخرت کی فکر پیدا کرنے کی نیت سے کبھی کبھی زیارتِ قبور کے لیے جانا چاہئے، زیارتِ قبور کے موقعہ پر کیا کرنا چاہئے؟ اس کا مختصر دستور العمل یہ ہے:

✽ زیارتِ قبور کے شرعی آداب:

(۱) جب قبرستان میں قبروں کے پاس سے گزرے تو قبور والوں کو سلام کرنا

(۱) مسلم ۱۶۲۳، ابوداؤد ۲۸۱۶، نسائی ۲۰۰۵، احمد ۲۱۸۸۰، ابن ماجہ ۱۵۵۸، ترمذی ۹۸۳

چاہئے اور ان کو دعاء بھی دینا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو قبرستان جانے پر پڑھنے کے لیے یہ الفاظ تعلیم فرمائے اور خود بھی جب قبرستان جاتے تو یہی یا اس جیسے الفاظ پڑھتے تھے:

﴿السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَا حَقْقُونَ، أَسْأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلَكُمْ الْعَافِيَةَ، أَنْتُمْ لَنَا قَرِطٌ وَنَحْنُ لَكُمْ بَعٌّ﴾ (۱)

(ترجمہ: اے اس بستی کے رہنے والے مومن اور مسلمانو! تم پر سلام ہو اور ہم بھی ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب تم سے ملنے والے ہیں، ہم اللہ سے تمہارے اور ہمارے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں، تم ہم سے پہلے جانے والے ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں)

(۲) سنت یہ ہے کہ کھڑے ہو کر، ہاتھ اٹھا کر دعاء واستغفار کرے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے قبرستان بقیع الغرقہ میں کھڑے ہو کر، ہاتھ اٹھا کر تین دفعہ دعاء کی۔ (۲)

علامہ نوویؒ شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے (قبرستان میں) دعاء اور اس میں ہاتھ اٹھانے کا مستحب ہونا معلوم ہوا۔ (۳)

(لیکن اگر ہاتھ اٹھانے میں کسی غلط فہمی کا اندیشہ ہو تو ہاتھ نہ اٹھانا چاہئے، مثلاً کوئی دیکھنے والا جاہل یہ سمجھے کہ قبر والے سے ہاتھ اٹھا کر مانگا جا رہا ہے تو یہ بہت ہی بُرا اور باطل عقیدہ ہے۔ لہذا ایک تو ہاتھ اٹھاتے وقت یہ عقیدہ ہو کہ میں اللہ سے اس میت کے حق میں دعاء کر رہا ہوں، دوسرے یہ دیکھ لے کہ اس سے کسی کو غلط فہمی نہ

(۱) مسلم: ۱۶۲۱، نسائی: ۲۰۱۳، ابن ماجہ: ۱۵۳۶، احمد: ۲۱۹۰۷، ولفظ آخر ترمذی: ۹۷۳، وابدوؤ:

۲۸۱۸، (۲) مسلم: ۱۶۱۹، نسائی: ۲۰۱۰، احمد: ۲۳۶۷۱، (۳) شرح مسلم ۲/۳۱۳

ہو اور کسی کے غلط عقیدہ کو تقویت نہ ملے۔

(۳) اس کے بعد قرآن میں سے جو یاد ہو پڑھکر ایصالِ ثواب کرے، بعض روایات میں ہے کہ جو شخص قبروں پر سے گزرا اور [قل هو اللہ احد] گیارہ دفعہ پڑھکر اس کا ثواب مردوں کو پہنچایا تو اس کو وہاں کے مردوں کی تعداد کے برابر اجر ملے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو قبرستان میں داخل ہوا اور سورہ فاتحہ، اور اخلاص اور الہاکم التکافؤ پڑھا اور کہا کہ اے اللہ! میں نے تیرا جو کلام پڑھا ہے اس کا ثواب قبر والے مؤمن مردوں اور عورتوں کو میں دیتا ہوں تو یہ قبر والے اللہ کے پاس اس کے حق میں سفارش کریں گے۔^(۱)

غرض جو سہولت پڑھا جاسکتا ہے یا جو یاد ہے اس کو پڑھکر اس کا ثواب مردوں کو پہنچا دینا مستحب ہے۔

(۴) جب قبرستان جائے تو قبروں کی درمیانی جگہ میں جوتے پہنکر نہ چلے، حدیث میں ہے کہ ایک شخص کو اللہ کے نبی ﷺ نے دیکھا کہ وہ قبروں کے درمیان جوتے پہن کر چل رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے دو جوتے والے! تیرا بڑا ہوا، اپنی جوتیاں نکال دے۔^(۲)

ہاں جانے آنے کے لیے جو راستہ مستقل طور پر بنا ہوا یا چلنے کے لیے چھوڑا ہوا ہوتا ہے اس پر جوتوں کے ساتھ چلنا جائز و درست ہے۔

(۵) قبر پر بیٹھنا جائز نہیں، لہذا اس سے بھی بچنا چاہئے، حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اس بات سے کہ قبروں پر بیٹھا جائے۔^(۳)

(۱) بحوالہ اعلام السنن: ۲۸۸/۸۶، ۲۸۸/۸۷، یہ روایات اگرچہ ضعیف ہیں مگر چونکہ متعدد ہیں اس لیے حسن الغیرہ ہیں، ویسے بھی فضائل کے باب میں حدیث ضعیف قابل عمل ہوتی ہے۔ احقر نے اس کی تحقیق اپنے عربی مقالہ ”حول الحدیث الضعیف“ میں کی ہے۔ (۲) ابوداؤد: ۲۸۱۱، نسائی: ۲۰۲۱، ابن ماجہ: ۱۵۵۷، احمد: ۱۹۸۵۶، طحاوی: ۲۴۶/۱، بیہقی: ۷۳۱۷، (۳) مسلم: ۱۶۱۰، نسائی: ۲۰۰۱، ابوداؤد: ۲۸۰۷، احمد: ۱۳۶۳۳

اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ تم میں سے کوئی انگارہ پر بیٹھے اور اس کے کپڑے جل جائیں اور وہ اس کے جسم تک پہنچ جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ قبر پر بیٹھے۔ (۱)

(۲) کوئی کام ایسا نہ کیا جائے جس سے میت کو تکلیف پہنچتی ہو جیسے قبر کو روندنا کہ اس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو روندنے سے منع کیا ہے۔ (۲)

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں انگارے پر چلوں، یہ اس سے زیادہ اچھا ہے کہ میں جان بوجھ کر کسی قبر کو روندوں۔ امام محمد اس کو روایت کر کے فرماتے ہیں کہ قبروں کو قصداً روندنا مکروہ ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ (۳)

(۷) اسی طرح قبر کو ٹیک لگانا بھی مکروہ ہے، کیونکہ اس سے مردے کو تکلیف ہوتی ہے، حدیث میں ہے کہ ایک صحابی کو حضور ﷺ نے دیکھا کہ وہ قبر پر بیٹھے ہیں تو فرمایا کہ قبر سے اُترو، قبر والے کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ (۴)

(۸) اسی طرح قبروں پر پیشاب یا پاخانہ کرنا سخت ناجائز ہے، ایک صحابی حضرت عقبہ بن عامرؓ نے تو یہاں تک فرما دیا کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں (یعنی میں کوئی فرق ان دو باتوں میں نہیں پاتا) کہ میں قبر پر پیشاب یا پاخانہ کروں یا کسی بازار میں جہاں لوگ مجھے دیکھتے ہوں۔ (۵)

مطلب یہ ہے کہ قبرستان میں قضاء حاجت کرنا اور کھلے بازار میں کرنا دونوں برابر ہیں اور ظاہر ہے کہ کھلے بازار میں قضاء حاجت کرنا انتہائی معیوب و مکروہ اور

(۱) ابو داؤد: ۲۸۰۹، نسائی: ۲۰۱۷، ابن ماجہ: ۱۵۵۵، احمد: ۷۷۶۰، طحاوی: ۲۴۹۱، مسلم:

۱۶۱۰، بیہقی: ۷۳۱۵، (۲) ترمذی: ۹۷۲، (۳) کتاب الآثار: ۵۲، وراہ ابن ابی شیبہ فی المصنف:

۲۱۹/۳، (۴) طحاوی: ۲۳۸/۱، (۵) ابن ابی شیبہ: ۲۱۹/۳

نا جائز ہے اسی طرح یہ بھی ناجائز ہے (شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اہل قبور کو یہ سب باتیں نظر آتی ہیں واللہ اعلم)۔

❖ زیارت قبور اور شرکیات و بدعات:

اوپر زیارت قبور کا شرعی دستور اور اس کے اسلامی آداب بیان کئے گئے۔ اب ذرا اس طرف نظر کیجئے کہ زیارت قبور کے نام پر لوگ کیا کیا اور کیسے کیسے لغو و فضول بلکہ شرک و بدعت کے کام اپنائے ہوئے ہیں، خصوصاً اولیاء اللہ کی مزارات پر جو ہوتا ہے وہ تو بالکل ظاہر ہے۔

❖ مزارات اولیاء پر سجدہ کی بدعت:

اولیاء اللہ کی مزارات پر بعض لوگ سجدہ کرتے ہیں حالانکہ سجدہ تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے لئے جائز نہیں ہے، مگر افسوس کہ یہ لوگ بلا جھجک و بلا کھٹک اولیاء اللہ کی مزاروں پر سجدہ کرتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ ایسے لوگ اکثر و بیشتر اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرنے اور نماز پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے بلکہ نماز پڑھے والوں کو گالیاں دیتے اور ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ قرآن تو جگہ جگہ یہ کہتا ہے کہ ﴿فَاسْجُدُوا لِلَّهِ﴾ اور ﴿وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ﴾

(کہ اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو) مگر یہ خدا سے غافل ہو کر مخلوق کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور اللہ کی عبادت کو اور عبادت کرنے والوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔

حضرت قیس بن سعد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مقام حیرہ گیا تو وہاں دیکھا کہ لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں، میں نے (دل دل میں) کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے، میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا کہ میں حیرہ شہر گیا تھا اور میں نے وہاں دیکھا کہ لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں اور آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے، اللہ کے

رسول ﷺ نے فرمایا کہ کیا اگر میری قبر کے پاس سے گزر دو گے تو اس کو بھی سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، (قبر کو تو سجدہ نہیں کروں گا، زندگی میں سجدہ کی اجازت چاہتا ہوں) آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرنا، میں اگر کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔^(۱)

اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کے لیے سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔^(۲)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت سراقہ بن مالکؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ، حضرت طلق بن علیؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت انسؓ، اور حضرت ابن عمرؓ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے روایات آئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے سجدہ جائز نہیں تھی کہ حضرت آقائے دو جہاں، سرور کائنات، خیر موجودات محمد عربیؐ (فداہ روجی والی وامی) ﷺ کے لیے بھی جائز نہیں، نہ زندگی میں اور نہ وفات کے بعد قبر پر، جیسا کہ اوپر کی حدیث سے واضح ہے، اب غور کیجئے کہ جب آپ ﷺ کے لیے سجدہ جائز نہیں تو کسی پیر، ولی، غوث، قطب، یا ابدال کے لیے کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ لہذا یہ صریح حرام اور اس کا ارتکاب معصیت ہے۔ بعض لوگ جو اس قسم کی شریک اور بدعیہ باتوں میں ملوث ہوتے ہیں، اپنے ان خرافات کو جواز کے دائرہ میں لانے کے لیے بعض مبہل تاویلات سے کام لیتے ہیں مثلاً بعض کہا کرتے ہیں کہ ہم عبادت کے طور پر نہیں بلکہ تعظیم کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔ مگر یہ تاویل لغو اور بے سود ہے کیونکہ جو حدیث اوپر عرض کی گئی وہ صاف بتا رہی ہے کہ کسی بھی قسم کا سجدہ غیر اللہ کے لیے جائز نہیں کیونکہ اس حدیث میں سجدہ سجدہ دیت کا سوال نہیں ہے بلکہ ان صحابی نے آپ ﷺ سے جو

سوال کیا تھا وہ سجدہ تعظیمی ہی کے متعلق تھا۔ کیونکہ صحابی بھی آپ ﷺ کی تعظیم ہی کی خاطر یہ اجازت چاہ رہے تھے نہ کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کی عبادت کے لیے۔ کیونکہ عبادت تو غیر اللہ کی سمجھی اور کسی بھی شریعت میں جائز نہیں تھی اور صحابی تو صحابی آج کا عام مسلمان بھی اس بات کو جانتا ہے، تو پھر کیا صحابی آپ کی عبادت کیلئے اجازت مانگ سکتے ہیں؟ جب نہیں تو بات صاف ہے کہ ان کا سوال سجدہ تعظیمی کے بارے میں تھا اور اسی پر حضور ﷺ نے فرمادیا کہ اللہ کے سوا کسی کیلئے بھی سجدہ جائز نہیں جس سے واضح ہے کہ آپ کی مراد اس سے سجدہ تعظیمی ہی ہے معلوم ہوا کہ اسلام میں سجدہ تعظیمی بھی اللہ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں۔

❁ قبروں پر منتیں ماننا اور حاجتیں مانگنا:

بہت سے لوگ اولیاء اللہ سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں اور ان کے نام پر منت مانتے ہیں، یہ بھی حرام اور شرکیہ کام ہے۔ سوائے اللہ کے کوئی کسی کی حاجت و مراد بر لانے والا نہیں۔ مشکل کشا و حاجت روا صرف اور صرف اللہ ہے، اس موضوع پر احقر نے اپنی کتاب ”دیوبندیت و بریلویت“ میں کسی قدر تفصیل سے دلائل کے ساتھ کلام کیا ہے۔^(۱)

اور نذر و منت چونکہ ایک عبادت ہے اور عبادت سوائے اللہ کے کسی اور کے لیے نہیں ہو سکتی، لہذا وہ بھی غیر اللہ کے لیے ناجائز ہے پھر اگر اس نذر میں کسی گناہ کی نذر کی جائے تو اور زیادہ گناہ کی بات ہے مثلاً کسی نے نذر مانی کہ میرا بچہ صحت یاب ہو گیا تو کالے شاہ کی مزار پر گھوڑا یا صندل چڑھاؤں گا یا ڈھول بجواؤں گا وغیرہ تو یہ غیر اللہ کی نذر کے ساتھ ساتھ ایک حرام کام کی نذر ہے اور حرام کام کی نذر اللہ کے لیے ماننا بھی جائز نہیں تو غیر اللہ کے لیے ماننا اور زیادہ گناہ کی بات ہے، حدیث میں ہے

(۱) دیوبندیت و بریلویت، دلائل کے آئینہ میں: ۳۲ تا ۳۱

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿ لَا نَذِرُ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ ﴾ (۱)
(یعنی اللہ کی معصیت میں نذر جائز نہیں)

ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ:

﴿ مَنْ نَذَرَ أَنْ يَطِيعَ اللَّهَ فَلْيَطِعهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهْ ﴾
(یعنی جو شخص اللہ کی اطاعت کی نذر مانے وہ (اپنی نذر کو پورا کر کے) اللہ کی اطاعت کرے اور جو اللہ کی معصیت کی نذر مانے وہ (اپنی نذر کے ذریعہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔ (۲)

ایک حدیث میں ہے کہ ﴿ لَا وَفَاءَ لِنَذَرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ ﴾ کہ اللہ کی معصیت کی نذر کو پورا نہیں کیا جائے گا۔ (۳)
اور اگر کوئی اس قسم کی نذر مان لے تو اس کو چاہئے کہ اس کو توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کر دے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (۴)

خلاصہ یہ کہ نذر ایک تو غیر اللہ کے لیے نہیں ہو سکتی دوسرے کسی ناجائز کام کی نہیں ہو سکتی، اور یہ قبر پرست لوگ ان دونوں باتوں میں غلطی کرتے ہیں۔ ایک تو اولیاء اللہ کی نذر مانتے ہیں دوسرے ناجائز کاموں کی نذر مانتے ہیں۔ پھر یہ نذر اس عقیدہ سے مانتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ ہماری مرادیں اور حاجتیں پوری کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہ تمام عقیدے اور اعمال اسلام کے خلاف ہیں اور بالکل مشرکین عرب کے اعمال و عقائد کے مطابق ہیں۔ اسی لیے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

(۱) مسلم: ۳۰۹۹، نسائی: ۳۷۵۲، احمد: ۱۰۱۰، ابوداؤد: ۲۸۴۹، ابن ماجہ: ۲۱۱۶، ترمذی: ۱۳۴۳

(۲) بخاری: ۲۲۰۲، نسائی: ۳۷۶۲، ابوداؤد: ۲۸۶۲، ابن ماجہ: ۲۱۱۷، احمد: ۲۲۹۴، مالک: ۹۰۲،

دارمی: ۲۲۳۳، مسلم: ۳۰۹۹، دارمی: ۲۲۳۲، احمد: ۱۹۰۱۷، ابوداؤد: ۲۸۸۳

(۳) نسائی: ۳۷۸۷، ترمذی: ۱۳۴۴، احمد: ۱۹۱۳۴

نے ”الفوز الکبیر“ میں فرمایا ہے کہ:

”اور تم کو مشرکین کے احوال، اعمال و عقائد کی تصویر میں کچھ توقف ہو تو اس زمانے کے عوام اور جاہلوں کا حال دیکھ لو۔ خصوصاً ان کو جو دارالاسلام (دہلی) کے اطراف میں رہتے ہیں کہ وہ ولایت کو کیا خیال کرتے ہیں اور اس کے بارے میں ان کا کیا تخیل ہے۔ وہ قبروں پر اور آثار کو جاتے ہیں، اور مختلف قسم کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔“^(۱)

بہر حال مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان خرافات و شرکیات سے بچیں اور اپنی حاجات میں اللہ کی طرف رجوع کریں۔ ہاں ان بزرگوں کے وسیلہ سے اللہ سے دعاء کی جائے تو درست ہے۔ اس مسئلہ پر تفصیلی کلام احقر کی کتاب ”دیوبندیت و بریلویت“ میں موجود ہے۔

✽ عرس و صندل کی بدعت:

عرس و صندل کے نام سے اولیاء اللہ کی مزارات پر جو خرافات ہوتے ہیں وہ تو اس قدر ظاہر ہیں کہ جس کے دل میں ذرا بھی حق پسندی و دیانت داری کا عنصر ہوگا وہ صاف صاف اس کو غلط اور منکر سمجھے گا۔ مگر شیطان نے بہت سے لوگوں کو بہکا رکھا ہے اور وہ ان خرافات کو دین و ایمان کا جزء اور تمام فرضوں سے بڑھکر فرض سمجھے ہوئے ہیں۔ مگر مسلمانو! اللہ کے لیے غور کرو کہ کیا کبھی صحابہ نے اللہ کے رسول ﷺ کا یا حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا عرس کیا یا ان کی مزارات پر صندل چڑھایا تھا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو بات بالکل واضح اور صاف ہے کہ یہ دین کا کام اور نیکی و ثواب کا کام نہیں ہے، ورنہ یہ حضرات ضرور اس کو اپناتے۔ جب نہیں اپنایا تو اسی لیے نہیں اپنایا کہ یہ دین کا کام نہیں ہے بلکہ ان موقعوں پر ہونے والے افعال میں سے بہت

سے کام خلاف شرع ہیں۔ مثلاً حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ۔^(۱) مشہور محدث ملا علی القاریؒ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ میری قبر کو عید کی طرح لبو و سرور کا مظہر نہ بنالو، ایک مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ میری قبر کو عید کی طرح سال میں ایک یا دو دن نہ آیا کرو بلکہ بار بار آیا کرو۔ اس کے بعد شارح مشکوٰۃ علامہ طیبیؒ سے نقل کیا ہے کہ:

”نہاہم عن الاجتماع لها اجتماعهم للعيد نزهة و زينة و كانت اليهود والنصارى تفعل ذالك بقبور انبيائهم فاورثهم الغفلة و القسوة و من عادة عبدة الاوثان انهم لا يزالون يعظمون امواتهم حتى اتخذوها اصناما و الى هذا اشار بقوله:

”ا للهم لا تجعل قبرى وثنا يعبد“ فيكون المقصود من النهى ان يتجاوزوا في قبره غاية التجاوز۔ (۲)

(آپ ﷺ نے ان (صحابہ) کو قبر پر عید کی طرح تفریح اور زینت کے طور پر جمع ہونے سے منع فرمایا اور یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء کی قبروں کے ساتھ ایسا ہی کرتے تھے پس ان میں اس نے غفلت و سخت دلی پیدا کر دی اور بتوں کے پجاریوں کی عادت ہے کہ وہ ہمیشہ سے اپنے مرے ہوئے لوگوں کی تعظیم کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے ان (اہل قبور) کو بت بنالیا، اور اسی کی طرف آپ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ کیا ہے ”اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنادے جس کی عبادت کی جائے“ لہذا اس حدیث کا مقصود یہ ہوگا کہ آپ ﷺ کی قبر کے بارے میں حد سے آگے بڑھنے سے منع کیا جائے)

(۱) احمد: ۸۴۴۹، ابوداؤد: ۴۶۷۱، مشکوٰۃ: ۸۶، مجمع الزوائد: ۲/۲۴۷، (۲) مرقاة المفاتیح: ۳۴۲/۲

حدیث کی ان تشریحات کے مطابق غور کیجئے کی عرس کی ان کے رو سے کیا حیثیت قرار پاتی ہے؟ عرس میں لوگ زیب و زینت کے ساتھ، تفریحا اور لہو و لعب اور کھیل تماشے کی طرح جمع ہوتے ہیں۔ اور اس کے لئے مخصوص تاریخیں مقرر ہوتی ہیں، نیز اس میں گانا بجانا، قوالی و نارج سب کچھ ہوتا ہے جو اسلام میں ناجائز اور حرام ہے، تو بھلا اس کی اجازت اسلامی نقطہ نظر سے کیونکر ہو سکتی ہے؟ اور جب اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی قبر کے سلسلہ میں یہ فرمادیا ہے تو کسی اور کی قبر پر عرس اور صندوق کی اجازت کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے؟

پھر عرس کے لئے آنے والے دور دور سے سفر کر کے آتے ہیں حالانکہ بہت سے علماء کے نزدیک قبروں کی زیارت کے لئے سفر ناجائز ہے۔ وہ حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ﴿لَا تَشْدُوا الرِّحَالَ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، مَسْجِدِي هَذَا، وَمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى﴾ (۱)

(تین مساجد کے علاوہ کسی اور طرف کجاوہ نہ باندھنا یعنی سفر نہ کرنا، ایک میری مسجد (مسجد نبوی) دوسرے مسجد حرام (کعبۃ اللہ) اور تیسرے بیت المقدس) اگرچہ اس استدلال میں جمہور علماء نے کلام کیا ہے، لیکن اگر اس سفر سے معصیت کا ارتکاب لازم آتا ہے تو پھر وہ سفر جائز نہیں، چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ:

”قبور بزرگان کی زیارت کو سفر کر کے جانا مختلف فیہ ہے، بعض علماء درست کہتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں، مگر ہاں عرس کے دن زیارت کو جانا حرام ہے۔“ (۲)

(۱) بخاری: ۱۱۵، مسلم: ۲۳۸۳، احمد: ۱۱۵۵۷، ترمذی: ۳۰۰، ابوداؤد: ۱۷۳۸، (۲) فتاویٰ رشیدیہ

ان تفصیلات سے واضح ہوا کہ عرس و صندل کے نام پر لوگوں کا اولیاء اللہ کی مزاروں پر جمع ہونا پھر وہاں مختلف و متعدد گناہوں کا ارتکاب سخت معصیت ہے اور اس کا اسلامی مزاج سے اور نبوی طریقہ سے کوئی بھی جوڑ نہیں اور جو مجاور اور پیر لوگ ان سلسلوں کے بانی مبنی ہیں ان کا ان سب چیزوں سے مقصود صرف مال بٹورنا ہوتا ہے، لہذا اس سے بچنا چاہئے۔

✽ مزاراتِ اولیاء پر غور میں:

اولیاء اللہ کی اور بعض جگہ عام قبروں پر بھی عورتیں زیارت کے لئے جاتی ہیں اور خصوصاً عرس و صندل وغیرہ کی رسموں میں ان کا وجود گویا لازم و ضروری ہے حالانکہ بہت سے علماء نے عورتوں کے لئے قبروں پر حاضری و زیارت کو حرام و ناجائز و باعث لعنت قرار دیا ہے اور ان حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔^(۱)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے (زیارتِ قبور سے) عورتوں کو اس لئے منع کیا کہ ہم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں سے زیادہ گمراہ کسی کو نہیں پایا۔^(۲)

اس سلسلہ میں حنابلہ و شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ عورتیں جو ان ہوں یا بوڑھی، زیارتِ قبور کے لئے ان کا جانا مکروہ ہے اگرچہ کسی فتنہ کا خوف نہ ہو، اور اگر فتنہ کا خوف ہو تو ان کا جانا حرام ہے، اور حضرات حنفیہ و مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ بوڑھی عورتیں اگر شرعی پابندیوں کے ساتھ جائیں تو درست ہے لیکن جو ان عورتوں کا جانا چونکہ مفاسد پیدا کرتا ہے، اس لئے حرام ہے۔^(۳)

(۱) ابوداؤد: ۲۸۱۷، ترمذی: ۲۹۴۲، نسائی: ۲۰۱۶، ابن ماجہ: ۱۵۶۴، احمد: ۱۹۲۶، مستدرک حاکم:

ابن ابی شیبہ: ۲۴۵/۳، (۲) ابن ابی شیبہ: ۲۲۶/۳، (۳) الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۱: ۵۴۰،

معلوم ہوا کہ اکثر علماء تو عورتوں کے لئے زیارت قبور کو جائز نہیں کہتے اور جو جائز کہتے ہیں وہ بھی صرف بوڑھی عورتوں کے لئے جائز کہتے ہیں جبکہ وہ حدود شرعیہ و احکام شرعیہ کے خلاف نہ کرے۔ (واللہ اعلم)

﴿وعاء واختتام﴾

آخر میں تمام اہل اسلام سے گزارش ہے کہ مندرجہ اسلامی احکام کے مطابق موتی کے سلسلہ میں کارروائی کی جائے کہ یہی دراصل مسلمانی کی شان اور اللہ و رسول سے سچی محبت و عشق کی علامت ہے۔ الحمد للہ ہم نے اس رسالہ میں تمام مسائل کو احادیث اور مستند علماء و فقہاء کے حوالوں سے مزین کر دیا ہے۔ جو انصاف اور حق کا متلاشی ہے وہ ضرور اس سے روشنی حاصل کرے گا ہاں جو گمراہی ہی کو اپنا مقدر بنالیا ہو اس کے لئے ہزار دلائل بھی ناکافی ہیں جیسے جاہل پیر جو اولیاء اللہ کی محبت کے نام پر لوگوں کو شرک و بدعت میں مبتلا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان سے محفوظ رکھے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو شرف قبول عطا فرمائے اور اس کو لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت بنائے۔

﴿میری وصیت﴾:

میں اپنے رشتہ دار و احباب اور شاگردوں اور متعلقین کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے مرنے پر تمام رسومات شرعی احکام کے مطابق ادا کئے جائیں اور کسی قسم کی بدعت اور غیر شرعی کام نہ کیا جائے۔ اور ان معاملات میں علماء صالحین کی سرپرستی حاصل کی جائے۔ نیز میرے لئے ایصال ثواب کا اہتمام کریں اور دعاؤں میں فراموش نہ کریں کہ یہی آپ کا میرے لئے عظیم تحفہ ہوگا۔ فقط

محمد نعیم (اللہ عاف) (مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور)